ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

(حضرت سید احمد شہید اور ان کے ساتھیوں کی
چلائی ہوئی تحریک تجدید و جہاد کی تاریخ)

از

مسعود عالم ندوی

دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن

قران کی چار بنیادی اصطلاحیں

اللہ ، رب ، دین اور عبادت یہ چار لفظ قران کی اصطلا حی زبان
بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔قران کی تعلیم کو سمجھنے کے لئے ان ،
اصطلاحوں کا صحیح اور مکمل مفہوم سمجھنا بالکل ناگزیر ہے۔اگر کوئی شخ
جانتا ہو کہ اللہ اور رب کا مطلب کیا ہے ، عبادت کی کیا تعریف ہے ، او
کسے کہتے ہیں ، تو در اصل اس کے لئے پورا قران بے معنی ہو جائیگا
توحید کو جان سکیگا نہ شرک کو سمجھ سکیگا نہ عبادت کو اللہ کے لئے مخ
کرسکے گا اور نہ دین ہی کو اللہ کے لئے خالص کر سکے گا۔

پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہ
پردہ پڑجانے کی بدولت قران کی تین چوتھای سے زیادہ تعلیم ، بلکہ اس
حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوگئی ہے،اور اسلام قبول کرنے کے ب
لوگوں کے عقاید و اعمال میں جو نقائیص نظر آرہے ہیں ان کا ایک بڑا
یہی ہے

اگر آپ قران مجید کی مرکزی تعلیم اور اس کے حقیقی مد
سمجھنا چاہتے ہوں تو "قران کی چار بنیادی اصطلا حوں" کا مطالعہ فرمائ

ضخامت ۱۰۴ صفحات قیمت ۱ روپیہ ۴ آنے بے جلد

ملنے کا پتہ:- مکتبہ جماعت اسلامی ادارہ دارالا

پٹھان کوٹ (پنجاب)

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

یعنی

حضرت سید شہیدؒ اور ان کے ماننے والوں کی چلائی ہوئی تحریک
تجدید و جہاد کی تاریخ اور ان کے کارناموں پر تبصرہ اور تنقید
نیز غیروں کی غلطیوں اور فروگذاشتوں کی نشان دہی اور تردید

تالیف

مسعود عالم ندوی

شائع

دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ - جدید ملے پلی حیدرآباد (دکن)

طبع اوّل ـــــ ایک ہزار ـــــ مارچ ۱۹۴۶ء

ـــــ مطبوعہ ـــــ

صحیفہ مشین پریس حیدرآباد دکن

کتابت:- سید ناصر علی
کاپی نویس و خوشنویس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معذرت

زیر نظر کتاب کا مواد تو کئی سالوں سے فراہم تھا، مگر چند در چند مجبوریوں کے باعث ترتیب و تالیف میں تاخیر ہو گئی۔

ترتیب، گذشتہ سال (محرم و صفر ۱۴۰۶ھ) مکمل ہو چکی تھی، مگر مسودہ ناشر کی خدمت میں رجب ۱۴۰۶ھ (جون ۸۵ء) سے پہلے نہ بھیجا جا سکا۔

آٹھ نو مہینے کے طویل انتظار اور بار بار کی یاد دہانیوں کے بعد مطبوعہ اوراق وصول ہوئے، تو دیکھ کر سکتہ سا ہو گیا۔ کتابت و طباعت کی غلطیوں کی "بہتات" دیکھ کر پاؤں تلے سے زمین نکلنے لگی۔ مگر، کرنا کیا تھا؟ "ہرچہ از دوست می آید نیکوست" ایک ہزار میل کی دوری پر مؤلف خود تو کاپیوں کی تصحیح کرنے سے رہا۔ مجبوری میں ناشر پر اعتماد کیا گیا۔ اور یہ انھیں کی بے توجہی کا نتیجہ ہے جو یہ کتاب اس برے حال میں شایع ہو رہی ہے اور اس خستہ حال کو یہ سطریں لکھ کر غم غلط کرنا پڑ رہا ہے۔

غلطیاں بہت ہیں۔ اور املا کے اسقام کا تو پوچھنا ہی نہیں۔ اسی

طرح اوقاف (، ؛ ؟ ۔ ' ' " ") کا التزام بھی نہیں قائم رہا ہے۔

اور اب ان کی تلافی بھی نہیں ہو سکتی۔ صرف نمایاں غلطیوں کی فہرست (غلط نامہ)

آخر میں دے دی گئی ہے۔ امید کہ مظلوم مصنف کی یہ معذرت قبول کی جائے گی۔

اللہ نے چاہا اور زندگی باقی رہی، تو دوسرے اڈیشن میں یہ خامیاں نہیں

رہیں گی۔

والسلام

عاجز

مسعود عالم ندوی

دار العروبہ۔ شہر جالندھر

۵/۷/۴۹ھ

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون
۷	عرض مولف
۱۵	پہلا باب - وہابیت کیا ہے؟
۱۹	دوسرا باب - بدنام وہابی
۲۰	ہندوستان کی اس پہلی اسلامی تحریک اور نجد کی دعوت توحید و اصلاح کا فرق
۲۶	وہابی اور اہل حدیث
۲۹	تیسرا باب - سید احمد شہید سن ۱۲۰۱ھ تا ۱۲۴۶ھ
۳۲	جہاد
۳۵	دعوت اور مشن
۳۹	دعوت کا اہم عنصر
۴۲	شہادت یا غیبوبت
۴۴	اصلی نصب العین تاسیس حکومت الٰہیہ
۴۶	مشہور خلفاء

نشان سلسلہ	مضمون	صفحہ
۱۳	چوتھا باب۔ سید صاحب کے بعد	۴۸
۱۴	مولانا ولایت علی صادق پوری	〃
۱۵	تنظیم و تبلیغ	۵۲
۱۶	حج و جہاد	۵۴
۱۷	مولانا عنایت علی غازی	۵۶
۱۸	تبلیغ	〃
۱۹	فصل خصومات	۵۹
۲۰	جہاد	۶۰
۲۱	غداروں پر اعتماد	۶۳
۲۲	چھیڑ چھاڑ سنہ ۱۸۵۲ء تا سنہ ۱۸۵۷ء	۶۴
۲۳	آخری ابتلاء سنہ ۱۸۵۷ء تا سنہ ۱۸۵۸ء	۶۵
۲۴	مختلف امراء	۶۸
۲۵	مولانا عبداللہ صادق پوری	۷۲
۲۶	پانچواں باب۔ ہندوستان کے اندر	۸۵
۲۷	نظام عمل	۹۱
۲۸	فرہنگ مصطلحات	۱۰۰

نمبر سلسلہ	مضمون	صفحہ
۲۹	چھٹا باب۔ سازش کا الزام اور مقدمے	۱۰۴
۳۰	پہلا مقدمہ سازش انبالہ ۱۸۶۴ء	۱۰۵
۳۱	دوسرا مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء	۱۱۵
۳۲	تیسرا مقدمہ سازش مالدہ ۱۸۷۰ء	۱۲۶
۳۳	ضلع مالدہ	۱۲۸
۳۴	چوتھا مقدمہ سازش راج محل ۱۸۷۰ء	۱۲۹
۳۵	پانچواں مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۷۱ء	۳۱
۳۶	بعض دوسرے گرفتاران بلا	۱۴۲
۳۷	ساتواں باب۔ اسیران بلا کے مصائب اور ان کی استقامت	۱۴۵
۳۸	آٹھواں باب۔ ظاہری ناکامی کے اسباب	۱۶۰
۳۹	کامیابی یا ناکامی	"
۴۰	کتابیات	۱۷۰
۴۱	فارسی	"
۴۲	اردو	۱۷۱
۴۳	انگریزی	۱۷۲

عرضِ مؤلف

آج سے نو دس برس پیشتر (۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء) جب راقم نے عربی زبان میں اسلامی ہند کی تاریخ[1] لکھنا شروع کی۔ تو ہندوستان کی مشہور اور بدنام وہابی تحریک سے ابتدائی واقفیت پیدا ہوئی۔ جو دو چار کتابیں دستیاب ہوسکیں دیکھیں اور "الحرکة الوهابية الهندية السياسية" کے عنوان سے زیر تحریر تاریخ میں ایک باب کا اضافہ ہوگیا۔ جس کا ایک ٹکڑا مرحوم "الضیاء" کے آخری نمبر (شعبان ۵۴ھ - دسمبر ۳۵ء) میں شائع بھی ہوا تھا۔ پھر وہی مقالہ اردو کے لباس میں۔ "وہابیت۔ ایک اہم دینی و سیاسی تحریک" کی سرخی کے ساتھ الہلال (پٹنہ) کی متعدد اشاعتوں میں شائع ہوا (اپریل۔ مئی۔ جون ۳۶ء) اور خود اس تحریک کے مرکز عظیم آباد اور خاص کر صادق پوری حلقوں میں بھی تحسین و قبولیت کی نگاہوں سے دیکھا گیا۔ اس سے سمند شوق کو ایک اور تازیانہ لگا اور مزید چھان بین جاری رہی۔

حسن اتفاق کہ انھیں دنوں میں محب مخلص مولانا ابوالحسن علی ندوی (حضرت

---

[1] حاضر مسلمی الہند وغابرہ
یہ تاریخ محب الدین خطیب ... اڈیٹر الفتح (قاہرہ) کی فرمائش پر لکھی گئی تھی اور جنگ سے پہلے ان کے مطبع سلفیہ میں زیر طبع تھی۔ پھر کیا حشر ہوا؟ ۔ نہیں معلوم ہو سکا۔

سید شہیدؒ کی سیرت مرتب کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ اس نئے بحث و مذاکرہ سے بعد دو دوستوں کے درمیان یہ طے پایا کہ علی میاں سید صاحبؒ کی سیرت مرتب کریں اور یہ گنہگار مشہد بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) سے اپنا قلمی سفر شروع کرے۔ ان دونوں میں جو علم و عمل کا جامع، مستعد اور سراپا سوز و درد تھا۔ اس نے اپنا کام جلد ختم کر لیا۔ جسکا معمولی ثبوت یہ ہے کہ ان سطروں کے لکھنے سے بہت پہلے سیرت سید احمد شہیدؒ کے دو اڈیشن نکل کر قبول عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اور کیا عجب ہے کہ تیسرا اڈیشن بھی بہت جلد منصۂ شہود پر جلوہ گر ہو جائے۔ الحمد للہ فخری۔

اس بے عمل کا دائرہ عمل نسبتاً الجھا ہوا اور پر خطر بھی تھا۔ حکومت وقت کے خوف سے معاصر اور آزاد باخبر حلقوں نے کوئی یادداشت محفوظ نہیں رکھی اور خود صادق پور میں بھی کوئی معقول تحریری مسالہ موجود نہیں۔ سننے اور دیکھنے والے آنکھیں بند کر چکے۔ اور ایک آدھ واقف کار نظر بھی آئے تو پہلی سختیوں کا رعب دل پر اب تک بیٹھا ہوا۔ عظیم آباد پٹنہ میں سات سال مسلسل قیام (۱۹۴۲ء تا ۱۹۴۹ء) اور ایک مشہور اور قیمتی کتاب خانے (خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ) کی تمام آسانیوں کے باوجود مواد کے فراہم اور تلاش کرنے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور سات آٹھ سال کی مسلسل جد و جہد کے باوجود بعض گم شدہ کڑیوں کا سراغ اب تک نہیں مل سکا۔ مجبوری میں جو کچھ ہو سکا حاضر خدمت ہے۔ مزید چھان بین کا سلسلہ جاری ہے اور رہے گا۔ اللہ نے چاہا تو دوسرے اڈیشن میں یہ کوتاہیاں دور ہو جائیں گی۔

(۲)

حضرت سید شہیدؒ کی تحریک تجدید و جہاد یا ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، عام طور پر وہابی تحریک کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اور اپنوں اور غیروں، تمام حلقوں میں یہ کوشش کی جاتی رہی ہے کہ نجد کی دعوت توحید و اصلاح سے اس کا ڈانڈا ملا دیا جائے۔ ہرچند کہ دونوں تحریکوں کا سرچشمہ (کتاب و سنت) ایک ہے اور رجحانات بھی ملتے جلتے ہیں، پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ دونوں کی نشو و نما الگ الگ ہوئی اور ایک پر دوسرے کا کوئی اثر نہیں پڑا۔ اس تحریک کے مطالعے کے دوران میں نجد کی دعوت توحید کے متعلق ایسی غلط بیانیاں بلکہ زہر افشانیاں اور دشنام طرازیاں نظر سے گذریں کہ یارائے ضبط نہ رہا، اور نجد کی دعوت تجدید و اصلاح نے کچھ عرصے کے لئے توجہ اپنی طرف منعطف کر لی۔ اور اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ زیر نظر کتاب سے پہلے دعوت نجد کی تاریخ، محمدؒ بن عبدالوہاب۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح[۱] کے نام سے مکمل ہو گئی (جس کا ایک باب معارف (مئی۔ جون سنہ [illegible]ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ اور پورا مسودہ دارالمصنفین میں تین سال سے کاغذ کی دستیابی کا انتظار کر رہا ہے)

گو اس رسالے کا اصل موضوع ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک اور خاص کر شہدائے بالاکوٹ کے بعد کے واقعات و حوادث کا جائزہ لینا ہے۔ تاہم ربط کلام

---

[۱] خوشی کی بات یہ ہے کہ سیرت محمد بن عبدالوہاب بھی دارالاشاعت نشأۃ ثانیہ ہی سے شائع ہو رہی ہے اور بہت ممکن ہے کہ زیر نظر سطروں کے چھپنے سے پہلے ہی وہ پریس سے باہر آ چکی ہو۔

اور "وہابی تحریک" نام کی شہرت کے باعث "حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرت" اور "وھابیت" پر دو باب شروع میں بڑھا دئے گئے ہیں۔ ہر چند کہ لفظ "وھابیت" کا اطلاق دنیا کی کسی تحریک پر صحیح نہیں۔ نجد کی دعوت کے علم بردار شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہابؒ کی طرف اگر نسبت کرنا ہے تو محمدی کہنا چاہئیے۔ دوسری بات یہ کہ وہ اپنے کو "حنبلی" کہتے ہیں۔ علمائے حنابلہ کی کتابوں کو دیکھ لیا جائے پتہ چل جائے گا کہ محمد بن عبد الوہابؒ نے ان سے زیادہ ایک حرف نہیں کہا۔ البتہ مردہ قوائے عمل کو بیدار ضرور کیا۔ بے جان پیکروں میں زندگی کی حرارت ڈال دی اور ایک پورے خطے کو اسلامی رنگ میں شرابور کر دیا۔ اور آپ جانتے ہیں یہ ایسا گناہ ہے جسے تاجرانِ فرنگ اور ان کے ہوا خواہ معاف نہیں کر سکتے ——

نجد کے بعد "وھابیت" کا لیبل سید شہیدؒ کے اٹھنے والے ہندوستانی مجاہدوں پر بھی لگایا گیا جو بار بار کی تردید کے باوجود آج بھی قائم ہے۔ اور یہ "گالی" اتنی مشہور ہو چکی ہے کہ بعض اچھے خاصے مخلص مسلمان بھی "مجاہدین" کو "وھابی" ہی کے نام سے جانتے ہیں۔ اور اس سوختہ سامان نے تو اب تنگ آ کر اس لقب (وھابی) سے گھبرانا بھی چھوڑ دیا ہے۔ اچھا صاحب! اگر اللہ کا نام بلند کرنے اور اس کی راہ میں جان و مال کی قربانیوں کا نام "وھابیت" ہے تو ہم وھابی ہیں۔ چلئے! چھٹی ہوئی ——

کتاب کے آغاز میں وھابیت پر چند صفحے اسی "عذر" کے ماتحت لکھے گئے ہیں جو شاید اصحاب نظر کی نگاہ میں ناقابل قبول نہ ہو۔

(۳)

پچھلے چند برسوں میں جن صاحبوں نے سید صاحبؒ اور ان کے ماننے والوں پر کچھ لکھا ہے ان میں مولانا عبید اللہ سندھی مرحوم و مغفور (ف ۱۳۶۲ھ) اور مولانا ابوالحسن علی ندوی قابل ذکر ہیں۔ مولوی طفیل احمد صاحب مصنف (مسلمانوں کا روشن مستقبل) نے بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ مگر وہ ہمارے خاص کر ڈاکٹر ولیم ولسن ہنٹر کے خوشہ چیں ہیں۔ مولانا سندھی کی کتاب 'شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک' وسیع مطالعہ اور عمیق فکر کا نتیجہ ہے۔ مگر (اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ان کی لغزشوں سے درگذر فرمائے) انھوں نے حزب ولی اللہ کی تشکیل اور من مانی توجیہ کی خاطر سید صاحبؒ کے ماننے والوں اور خاص کر اہل صادق پور پر بڑا ظلم کیا ہے۔ اور ان کی کمزوریوں کی تنقید و مذمت میں ان کا قلم اعتدال پر قائم نہیں رہ سکا ہے۔ راقم نے ان کی زندگی ہی میں اس کتاب پر تنقید کی تھی اور اہل صادق پور کے صحیح حالات پیش کئے تھے (ملاحظہ ہو: مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر)۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب (سیرت سید احمد شہیدؒ) سید صاحبؒ کی سوانح۔ ان کی تعلیمات اور مشن پر بے مثل کتاب ہے اور اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا گیا ہے سب پر بھاری ہے، مگر افسوس ہے کہ میرے عزیز ترین دوست اور مخلص بھائی کا طریق نظر و فکر خالص عقیدت مندانہ ہے۔ اور انھوں نے بزرگوں کی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں سے نگاہ بچا کر نکل

جانے کی کوشش کی ہے۔

راقم کی روش ان دونوں اصحابِ علم وفضل کے مقابلے میں بین بین کی سی رہی ہے۔ یہ گنہگار سید صاحبؒ کی تحریک تجدید وجہاد کو "ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک" سمجھتا ہے۔ اور مولانا سندھی کی طرح ان کی دعوت کو کسی اندرونی یا بیرونی تحریک کا ضمیمہ نہیں خیال کرتا اور نہ انھیں کسی امیرِ جماعت کا لفٹنٹ یا کمانڈر ان چیف تصور کرتا ہے۔ دوسری طرف جیسا کہ اس رسالے کے مطالعے سے واضح ہوگا سید صاحبؒ یا ان کے اصحاب خاص کو معصوم بھی نہیں سمجھتا، نیز مستقبل میں ماضی کی غلطیوں سے بچنے کے لئے پچھلی فروگذاشتوں کی نشاندہی ضروری خیال کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ طریق فکر بہت کم لوگوں کو خوش کر سکے گا۔ اور بہت ممکن ہے اس کی مخالفت میں آوازیں بھی بلند ہوں۔ "ان خطرات" کو محسوس کرتے ہوئے بھی اس گنہگار نے جا بجا جائزہ اور بے لاگ تنقید کرنے کی جرات کی ہے۔ اور یہ صرف اس خیال کے ماتحت کہ حق بات بہرحال کڑوی معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر کوئی پائدار لٹریچر اور صالح فضا تیار کرنا ہے، تو پھر پسند عام کی خاطر حق کے اظہار میں تامل نہ ہونا چاہئے۔ نیتوں کا حال اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

آخر میں ایک حرف مآخذ سے متعلق بھی عرض کر دوں۔ راقم کی یہ کوشش رہی ہے کہ زیادہ سے زیادہ معاصر شہادتوں اور اصلی (Orginal) مآخذ سے کام لیا جائے۔ کتاب شروع کرنے سے پہلے آخری باب "کتابیات" (Biblography.) پر نظر ڈال لی جائے۔

توہین اسطور تنقیدوں کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

اس کتاب یا کتابچے کی تیاری میں جن قیمتی کتابوں، رپورٹوں، سرکاری دستاویزوں اور قلمی ذخائر سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے۔ ان تک اس بے برگ و نوا طالب علم کی رسائی مشکل تھی، اگر بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں کی عنایت اور معاونت نہ ہوتی۔ بڑی مشکل یہ ہے کہ جن "بزرگ" نے قیمتی کاغذات کی فراہمی میں سب سے زیادہ مدد دی ہے۔ انھوں نے اصرار کے باوجود نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ بہرحال یہ حقیر اُن تمام اہل علم کا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے اور توقع رکھتا ہے کہ یہ عنایتیں جاری رہیں گی نیز اہل علم و ارباب نظر حضرات سے درخواست ہے کہ وہ حقیر کی کوتاہیوں اور لغزشوں پر متنبہ کرنے میں مطلق تامل نہ فرمائیں۔

یہ کج مج رقم اپنی طالب علمانہ حیثیت اور کم علمی سے خوب واقف ہے۔ ہر مفید مشورہ شکریے کے ساتھ قبول کیا جائے گا۔ اور تو اور معاندانہ تنقیدوں سے بھی کام کی بات مل سکی، تو اظہار امتنان کے ساتھ اخذ کی جائے گی۔

مخدومی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی راقم کے اور اس کتاب کے تمام ناظرین کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ازراہ عنایت مسودہ پر نظر ڈالنے کی زحمت گوارا کی اور مفید مشوروں سے سرفراز کیا۔ نیز برادر عزیز جناب طفیل محمد صاحب قیم جماعت اسلامی کا شکریہ ادا کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے قانونی اصطلاحات کی توضیح اور تفہیم میں راقم کی مدد کی۔

پہلا باب

وہابیت کیا ہے؟

"وہابیت" کی نسبت عام طور پر شیخ الاسلام محمدؒ بن عبدالوہاب بن سلیمان نجدی کی طرف کی جاتی ہے۔ شیخ کی ولادت ۱۱۱۵ھ / ۱۷۰۳ء میں ہوئی، ان کی نشوونما اور تربیت صحرائے عرب ہی میں ہوئی۔ تحصیل علم کے لئے مدینہ منورہ اور بصرہ تک کے سفر کئے۔ ان کی ولادت کے وقت یعنی بارہویں صدی ہجری کے آغاز میں مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی تھی۔ دین کے ہر شعبہ میں نجد و عرب کے لوگ انحطاط پذیر تھے۔ اور ایک نجد و عرب ہی پر کیا موقوف ہے، ساری اسلامی دنیا شرک و بدعات کے دلدل میں پھنسی ہوئی تھی۔ کوئی سیاسی شعور باقی نہیں رہا تھا، جہاں کچھ طاقت تھی، وہاں "ملوکیت" کا دور دورہ تھا۔ یہ حالات دیکھ کر محمدؒ بن عبدالوہاب کے دل میں کسک پیدا ہوئی۔ بالکل نوجوانی ہی میں اصلاح و تجدید کی دعوت دینا شروع کی۔ اپنے گردونواح کے مسلمانوں کو کتاب و سنت کا بھولا ہوا سبق یاد دلا دیا۔ اور اس سلسلے میں ہر طرح کی اذیتیں برداشت کیں، تکلیفیں سہیں۔ پہلے بوڑھے باپ کی خفگی برداشت کرنا پڑی۔ پھر اپنے آبائی وطن عیینہ سے نکلنے پر مجبور کئے گئے۔

آخر چند برسوں کے ابتلاء کے بعد دَرْعِیَہ (نجد) کے امیر محمد بن سعود کے ہاں پناہ ملی۔ امیر اور اُس کے عزیز دعوت توحید کے سرگرم حامی بن گئے اور ان کی مدد اور معاونت کے بل پر شیخ الاسلام نے تبلیغ اور زوروں پر شروع کر دی۔ تا آنکہ کامیابی ان کے قدم لینے لگی۔ شمع توحید کے پروانے اطراف واکناف سے آ آکر شیخ الاسلام کے حلقۂ درس میں حاضر ہوتے اور پھر لوٹ کر اپنے اپنے علاقوں میں اللہ کا پیغام پہنچاتے۔

——— محمد بن سعود کی وفات سنہ ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء میں ہوئی۔ اور اس کا بیٹا عبد العزیز بن محمد بن سعود تاج و تخت کا مالک ہوا۔ عزم و ہمت میں یہ اپنے باپ سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ بڑھا چڑھا ہوا تھا۔ اور اُس کے زمانۂ حکومت میں دعوت کی توسیع و تبلیغ میں بڑی ترقی ہوئی۔ خود شیخ الاسلام بنفس نفیس عام تبلیغی کاموں کی دیکھ بھال کرتے، امیر عبد العزیز صرف ایک مطیع شاگرد کی طرح ان کے احکام اور ہدایتوں کی تعمیل کرتا۔ شیخ نے سنہ ۱۲۰۶ھ / ۱۷۹۲ء میں بانوے سال کی عمر پاکر وفات پائی۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے اور پوتے تبلیغ و دعوت کا فریضہ سرگرمی کے ساتھ ادا کرتے۔ دوسری طرف امیر عبد العزیز برابر اپنا دائرۂ حکومت وسیع کرتا رہا تا آنکہ نجد کا پورا علاقہ اُس کے زیر نگیں ہو گیا۔ حجاز پر بھی چڑھائی کی۔ اور مکہ معظمہ پر اس کا عارضی قبضہ بھی ہو گیا۔ پھر ترکوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا۔ امیر عبد العزیز درعیہ کی جامع مسجد میں نماز پڑھاتے ہوئے ایک ایرانی شیعہ کے ہاتھوں شہید ہوا (سنہ ۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء) اور اسی سال اس کا بیٹا سعود بن عبد العزیز بن محمد مکہ معظمہ میں فاتحانہ داخل ہوا، اور حرم کو

شرک وبدعت کی آلودگیوں سے پاک کیا ــــ اس کے بعد اہل نجد کے حوصلے بڑھ گئے اور ان کی نگاہیں شام کی طرف اٹھنے لگیں اور تمام دنیائے اسلام کو دعوت توحید سے آشنا کرنے کا خیال ان کے دلوں میں گدگدی پیدا کرنے لگا۔ ان کی دینی غیرت اور قومی شجاعت کامیابی کی ضمانت تھی۔ شام اور اعراق کے علاقوں پر کئی کامیاب حملے بھی کئے لیکن ترک، عربوں کی اس بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھنا کب گوارا کرسکتے تھے؟ انھوں نے مقابلہ سے خود تنگ آکر محمد علی پاشا، خدیو مصر سے امداد طلب کی۔ ترک (ترکی مرکزی حکومت۔ آستانہ) محمد علی پاشا کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے الگ خائف تھے۔ انھوں نے "سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے" پر عمل کرتے ہوئے، محمد علی کو نجدیوں کی سرکوبی پر مامور کیا۔ چند سالوں کے مسلسل اور خون ریز جنگوں کے بعد نجدیوں کو شکست ہوئی۔

سعود بن عبدالعزیز کی وفات ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء میں ہوئی، اس کا بیٹا عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز گو اپنے باپ سے بہادری میں بڑھا چڑھا ہوا تھا مگر اتنا مدبر اور ہوشیار نہیں تھا۔ سعود نے وصیت کی تھی کہ "مصریوں سے کھلے میدان میں ہرگز مقابلہ نہ کیا جائے" مگر عبداللہ اپنی مردانگی اور شجاعت کے زعم میں یہ نصیحت نظرانداز کرگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نجد کے بادیہ نشین جدید یورپی اسلحہ اور آلات جنگ کی تاب نہ لاسکے۔ آخر ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء میں عبداللہ بن سعود نے سپر ڈال دی۔

محمد علی مصری نے اسے آستانہ میں بھیج دیا، جہاں اسے بے رحمی کے ساتھ قتل کردیا گیا۔ ادھر محمد علی کے بیٹے ابراہیم پاشا فاتح درعیہ نے نجدی پایۂ تخت

کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ بوڑھوں، بچوں تک کو نہیں چھوڑا۔ مہینوں تک مصری فوج لوٹ مار کرتی رہی۔ مغربی فوجیں فتح پانے کے بعد جو کچھ کرتی ہوں گی، مصری فوج نے اس سے کچھ زیادہ ہی کیا۔ یہ تھی تیرہویں صدی ہجری کے آغاز میں مصری اور ترکی مسلمانوں کی حالت اور انکا نظریہ حکومت۔۔۔

اہل نجد کی تاریخی سرگذشت طویل اور دلچسپ بھی ہے۔ خاصکر ان کی نشاتِ ثانیہ کی تاریخ حد درجہ حیرت انگیز ہے لیکن یہاں ہمارا مقصود نجد کی تاریخ بیان کرنا نہیں۔ اس موقع پر راقم نے صرف ان کی ابتدائی تاریخ کا اجمالی خاکہ پیش کردیا ہے، تاکہ آئندہ اس مضمون کے سمجھنے میں آسانی ہو، اور ہندوستان کے بدنام "وھابی" مجاھدین کے حالات پڑھتے وقت، نجد کے مظلوم اور موحد حنبلی "وھابیوں" کی تاریخ بھی پیش نظر رہے۔ تفصیل کے لئے۔ ملاحظہ ہو راقم کی کتاب (محمدؒ بن عبدالوھاب:۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح) جس کا ذکر دیباچہ میں آچکا ہے۔

دوسرا باب

بدنام وہابی

نجدیوں کا یہ اُٹھان ترکوں اور انگریزوں کی نگاہوں میں بُری طرح کھٹکنے لگا۔ ترکوں کو اس لئے کہ اُن کے "حرمین شریفین" کی "خادمیت" پر حرف آتا تھا، اور انگریزوں کو اس لئے کہ نجدی بحری طاقت نے خلیج فارس میں ان کے چھکے چھڑا دئے تھے، یہ ایک دلچسپ تاریخی حقیقت ہے کہ درعیہ کی فتح (۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء) پر ابراہیم بن محمد علی مصری کو مبارک باد دینے کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا خاص قاصد بھیجا تھا دوسری طرف محمد علی کی فوج میں متعدد فرانسیسی اور اطالوی افسر اور ڈاکٹر تھے، وسط عرب میں ترقی اور تجدد کی لہران سب کے گلوں کی پھانسی بن گئی۔ اور وہ ان کے خلاف اپنی مقبوضات میں پروپگنڈا کرنے لگے، ترکوں نے مولویوں اور پیروں کی مدد حاصل کی۔ محمد بن عبدالوہابؒ کی طرف نسبت کریں تو قاعدہ سے "محمدی" کہیں گے۔ مگر "محمدی" کا لقب تو بدنام کرنے کے لئے کافی نہیں تھا۔ اس لئے شیخ الاسلام کے والد عبدالوہاب کی طرف نسبت کرکے "وہابیت" کا لقب ایک مذہبی گالی کے طور پر ایجاد کیا گیا۔

ترکوں اور انگریزوں کا یہ پروپگنڈا خالص سیاسی حیثیت رکھتا تھا مگر انھوں نے اسے خالص مذہبی رنگ دینا شروع کیا۔ تاکہ مشائخ اور خوش عقیدہ

مسلمانوں کو آسانی کے ساتھ منتقل کیا جاسکے۔ مولویوں اور پیروں سے خوب فائدہ اٹھایا گیا۔ مکہ معظمہ کے شیخ احمد زینی دحلان (ف ۱۳۰۴ھ) اور بدایون کے مولوی فضل رسول (ف ۱۲۹۷ھ) اور ان کے پیروں کی کوششوں سے افترا پردازیوں اور بہتان طرازیوں کا ایک انبار لگ گیا۔ جس سے کم وبیش آج تک جاہل اور عوام متاثر ہیں، مگر اہلِ علم میں اب یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی ہے ساحرانِ فرنگ کی عشوہ طرازیوں کا اتنا تجربہ ہو چکا ہے کہ اب یہ تاریخی حقیقتیں خود بخود آشکار ہونے لگی ہیں، اور پروپیگنڈوں کا تاریک نقاب تار تار ہو رہا ہے۔

ہندوستان کی اس پہلی اسلامی تحریک اور تجدید کی دعوتِ توحید و اصلاح کا فرق

یہ اسی پروپیگنڈے کا اثر تھا کہ ہندوستان میں حضرت سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۰۱ — ۱۲۴۶ھ) اور مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ (۱۱۹۶ — ۱۲۴۶ھ) کے ماننے والوں اور نقشِ قدم پر چلنے والوں کو بھی 'وہابی' کے لقب سے یاد کیا گیا۔ حالانکہ انہیں نجد کے موحدین سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اصل سرچشمہ (کتاب و سنت) کی وحدت کے باعث دونوں تحریکوں کے درمیان بہت کچھ مماثلت پائی جاتی ہے۔ توحید پر دونوں تحریکوں میں خاص طور پر زور دیا گیا ہے۔ شیخ الاسلام کی کتاب التوحید اور مولانا شہیدؒ کی تقویۃ الایمان بہت کچھ ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ پھر بھی غور سے دونوں تحریکوں کا مطالعہ کیا جائے۔ تو بعض اہم اور بنیادی مسئلوں میں بھی اختلافِ رائے کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔ طریق کار کا فرق تو قدم قدم پر ظاہر ہوتا ہے[۱]۔ لیکن پروپیگنڈے اور سیاسی وسیہ کاریوں کا برا ہو، اسلامی ہند

۱۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مولانا عبید اللہ سندھی کی (شاہ ولی اللہ) اور ان کی سیاسی تحریک (صفحہ ۱۲۶-۱۲۹) اور راقم کی مولانا سندھی کے افکار و خیالات پر ایک نظر (صفحہ ۱۱۶-۱۰۳)

کی اس پہلی تحریک تجدید و جہاد کو بھی 'وھابیت' کا نام دیکر بُری طرح بدنام کیا گیا[۱] اور انگریز مصنفوں اور اُن کا دیکھا دیکھی اپنوں نے بھی اس نام کو اتنی شہرت دی کہ آج حضرت سید احمد شہیدؒ کے پیرو اور ماننے والے اسی بدنام لقب (وہابیت) سے یاد کیئے جاتے ہیں۔ اور راقم کو خود اس مضمون کے آغاز میں "وھابیت" کی حقیقت بیان کرنی پڑی۔ لیکن کوئی غلط بات، صرف شہرت اور پروپگنڈا سے حقیقت نہیں بن سکتی۔ دجل اور فریب کا پردہ ایک نہ ایک دن چاک ہو کر رہتا ہے۔ آیئے ہم آپ کو داخلی اور خارجی شہادتوں کی روشنی میں دکھائیں کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی دعوت تجدید و جہاد نجد کی تحریک توحید و اصلاح سے بالکل متاثر نہیں ہوئی۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ (مولود سنہ ۱۲۰۱ھ) کو کم عمری ہی سے تجدید و احیائے سُنت کی فکر دامنگیر تھی۔ اور ان کی دعوت میں ترک بدعات کی نسبت جہاد فی سبیل اللہ پر زیادہ زور تھا۔

اِس کے برعکس شیخ الاسلام محمد بن عبد الوھابؒ کی دعوت میں توحید اور ترک بدعات کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ شیخ الاسلام کی کتاب التوحید میں جہاد، پر کوئی خاص باب یا فصل نہیں۔ دوسری طرف سید شہیدؒ کا کوئی مکتوب جہاد کے ذکر سے خالی نہیں ملتا۔ غالباً یہ دونوں ملکوں کے طبعی اور مقامی حالات کا نتیجہ تھا۔ نجد میں مسلمانوں ہی جیسا نام رکھنے والے، بدعات اور شرک کی

---

[۱] اصل میں ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک پر "وھابیت" کا اطلاق صرف اس لیئے کیا گیا کہ وھابیت کی اصطلاح پہلے گالی کے طور پر کافی مشتہر ہو چکی تھی۔ اب ایک نئی اصطلاح ایجاد کرنے اور چلانے کی زحمت کیوں اٹھائی جاتی۔

آلودگیوں میں مبتلا تھے، ہندوستان میں اپنوں کی خرابی کے ساتھ ساتھ سات سمندر پار سے آئی ہوئی ایک قوم زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے رہی تھی، مزید برآں ایک ہمسایہ لیکن نیم وحشی مذہبی گروہ پنجاب و سرحد کے غریب مسلمانوں کے لئے مستقل فتنہ بنا ہوا تھا۔ اس لئے سید شہیدؒ کے خلفا اور مریدوں کا سارا جوش عمل جہاد و قتال ہی کی طرف مائل تھا۔ اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والے اس راہ میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ اور آج بھی ان کا ایک گروہ، جس نیت کے ساتھ، (خواہ غلط ہی سہی) آیۂ ربانی۔

وَمِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (الاحزاب = ۲۳)

ان مومنین میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں، کہ انھوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا۔ اس میں سچے اُترے۔ پھر بعضے تو ان میں وہ ہیں، جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں۔ اور بعضے ان میں مشتاق ہیں اور انھوں نے ذرا تغیر تبدل نہیں کیا۔

کی یاد تازہ کر رہا ہے۔

سید شہیدؒ کا ظہور اس وقت ہوا، جب نجدیوں کی دعوت نجد اور اس کے اطراف میں محدود تھی۔ اور حجاز پر قبضے سے پیشتر (۱۲۱۸ھ / ۱۸۰۳ء) دنیائے اسلام میں انھیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ محمد علی مصری نے ۱۲۲۷ھ / ۱۸۱۲ء میں انھیں حرمین سے بے دخل کیا۔ اس طرح پر حرمین پر ان کا قبضہ نو سال سے زیادہ نہیں رہا۔ اور یہ زمانہ بھی یکسر جنگ و جدال میں بسر ہوا۔ حضرت سید شہیدؒ اور ان کے رفقاء ۱۲۳۷ھ میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوئے، جبکہ مکہ مکرمہ میں نجدیوں کا نام و نشان

بھی نہ تھا۔ بلکہ مکہ مکرمہ کے حکام حاجیوں کو اہل نجد سے ادنیٰ تعلق کے شبہ پر بھی تنگ کیا کرتے تھے پھر "نجدی وہابیوں" سے سید صاحب رح کے ملنے اور متاثر ہونے کا واقعہ افسانہ نہیں تو اور کیا ہے؟ نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ سید صاحب رح حج سے پیشتر ہی سکھوں سے جہاد کا عزم کر چکے تھے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سید شہید رح کی دینی تحریک تجدید و احیائے دین کی ایک مستقل تحریک تھی۔ مشیت الٰہی یہ ہوئی کہ تجدید امت کا سہرا ان کے سر رکھا جائے۔ توفیق باری سے انھیں رفیق اور جان نثار بھی ایسے میسر آئے کہ صحابہ کرام رض کے بعد اتنے نفوس قدسیہ کا یکجا ہونا تاریخ کے صفحات میں نظر نہیں آتا۔ نجد کی دعوت توحید سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ انگریز مصنفوں میں ولیم ولسن ہنٹر (W. W. Hunter.) نے حضرت سید شہید رح اور ان کی جماعت پر ناروا اور رکیک حملے کئے ہیں۔ اور اُن کے پیروں کی "باغیانہ" سرگرمیوں پر اُس نے بہت تفصیل سے خامہ فرسائی کی ہے۔ یہ اسی کے دماغ کی اپج ہے کہ سید شہید رح نجد کے وہابیوں سے متاثر تھے، اور اسی کی تقلید میں اپنوں اور غیروں نے بھی اس غلط بیانی[1] کا بار بار اعادہ کیا ہے۔ اس مختصر سی تحریر میں ہنٹر کی غلط بیانیوں پر تفصیل سے گفتگو نہیں کی جا سکتی۔ یہاں ہمیں صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ مجاہدین کا یہ سفید فام دشمن اپنی انتہائی کوششوں کے باوجود اس سلسلے میں جو

[1] ہمیں اہل نجد اور ان کی دعوت توحید و اصلاح امت سے کوئی اختلاف یا بیر نہیں۔ ہمارا عمل کتاب و سنت پر ہے، ہم نہ سید شہید رح کے مقلد ہیں نہ محمد بن عبدالوہاب رح نجدی کے۔ یہاں صرف غیروں اور اپنوں کی اس پھیلائی ہوئی غلط بیانی کا ازالہ مقصود ہے کہ "سید صاحب رح کی دعوت تجدید و جہاد، نجد کی تحریک توحید سے متاثر تھی" یہ بحث خالص علمی اور تحقیقی ہے۔ حرب عقائد یا سیاسی پروپگنڈا سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

کچھ لکھ سکا ہے۔ اس سے بھی سید صاحب رح کا نجدیوں سے ملنا ثابت ہوتا ہے ہنٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"قیام مکہ کے زمانے میں حکام کی توجہ ان کی طرف مبذول ہوئی۔ اس لئے کہ ان کی دعوت ان بدؤں (محمد بن عبدالوہاب کے ماننے والے) سے ملتی جلتی تھی" جنھوں نے گذشتہ سالوں میں مقامات مقدسہ کو بہت گزند پہنچایا تھا۔ مجاوروں نے ان کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کیا اور حرم سے نکال دیا"

(Our Indian Musalmans. صـ۶۰-۶۱)

گویہ "حقارت کا برتاؤ" اور "حرم سے نکالنے کا واقعہ" یکسر ہنٹر کے دماغ کی پیداوار ہے۔ پھر بھی ہم یہاں اسے نظر انداز کرتے ہوئے اہل نظر وارباب انصاف سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ سید شہید (ش ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رح (ف ۱۲۰۶ھ/۱۷۹۲ء) کی تعلیمات سے متاثر ہوئے تھے۔ ورنہ ہمارے پاس اس بات کا کافی ثبوت موجود ہے کہ مکہ مکرمہ کے حکام وامراء نے سید شہید رح کی پوری خاطر مدارات کی اور انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا۔

خود ہنٹر اس کتاب میں دوسری جگہ لکھتا ہے (صـ۱۰۸):۔

"کسی وہابی کے لئے ممکن نہ تھا کہ جان جوکھوں میں ڈالے بغیر مکہ (مکرمہ) کی سڑکوں پر چل سکے۔ یہ حال ۱۸۱۳ء سے ۱۸۳۰ء تک رہا"

اور ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت سید صاحب رح اور ان کے رفقاء (۱۲۳۷ھ/۱۸۲۲ء) میں حج بیت اللہ سے مشرف یاب ہوئے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہوا کہ بدنام وہابی

مبلغوں سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں اور وہ ان کی تعلیم سے متاثر ہوئے؟ اصل یہ ہے کہ دنیائے اسلام کے عام انحطاط اور پستی کے عالم میں نجدی بدوں کا اٹھان اور اُن کی "شمشیر زنی" یوروپی سیاست کاروں اور "اسلامی خدمت" کے ترکی اجارہ داروں کو ایک آنکھ نہیں بھائی۔ اور انھوں نے "نجدیوں" کو "وھابی" کا نام دیکر بدنام کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ دنیائے اسلام کی ہر مفید تحریک پر وھابیت کا لیبل لگانا معاندین اسلام کا عام شعار ہو گیا۔

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں مضمون "وھابیت" کا لکھنے والا مشہور دشمن اسلام اور شاتم رسول (صلعم) مارگولیوتھ عجیب و غریب حماقتوں کا مرتکب ہوا ہے۔ مولانا شہید رح کو سید صاحب رح کا بھانجا یا بھتیجا (Nephew) اور صراط مستقیم کو وھابیۂ ہند کا قرآن کہتا ہے۔ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (انگریزی اڈیشن) مقالہ۔ (Wahabiyah.) اس کا مقالہ تاریخی و تصنیفی اغلاط کا مضحکہ انگیز مرقع ہے۔ لیکن اسی انسائیکلو پیڈیا میں ابن سعود اور (سید) احمد کے مقالے اچھے اور عالمانہ ہیں۔ ہمیں یہاں احمد والے مقالے سے بحث ہے۔ اس کا لکھنے والا (Blumhart.) ایک حد تک سید شہید رح اور محمد رح ابن عبدالوھاب کی تحریکوں کو سمجھا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا فرق اس کی نگاہ میں ہے۔ لکھتا ہے:۔

"کچھ دنوں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ (سید صاحب) وعظ و ارشاد کے لئے دورہ کرنے لگے۔ ان کے خیالات ایک حد تک عرب وھابیوں سے ملتے جلتے ہیں۔ سادہ[1] عبادت، بدعات[2] سے اجتناب، خرافات[3] پر عقیدت

سے بعد اور انبیا[17] کی تعظیم میں حد سے زیادہ غلو سے پرہیز —— ان اُمور میں اُن کے اور نجد
وہابیوں کے درمیان مماثلت ہے۔

"۱۲۳۶ھ میں سید احمد شہید حج کیلئے مکہ روانہ ہوئے اور جب دو سال کے بعد ہندوستان واپس ہوئے تو پنجاب کے مسلمانوں کو آزاد کرانے کیلئے تیاریاں کرنے لگے۔

اس میں شک نہیں کہ دونوں تحریکوں کے درمیان ایک حد تک مشارکت اور مماثلت پائی جاتی ہے۔ اور اصل سرچشمہ میں اتحاد کے باعث ایسا ہونا ناگزیر تھا، کتاب وسنت سے براہ راست اکتساب فیض کرنے والی جماعتیں جہاں بھی کام کریں گی، اُن کا طریق کار اور دعوت کی بنیادی فکر ملتی جلتی ہوگی۔ لیکن اس "مماثلت ومشارکت" کی بنیاد پر جھوٹی تاریخ نہیں بنائی جاسکتی۔ اور یہ واقعہ اپنی جگہ ثابت اور متحقق ہے کہ سید صاحب رح نجد کی تحریک توحید سے بالکل متاثر نہیں ہوئے۔ اور نہ کسی نجدی عالم یا داعی سے ان کا ملنا ثابت ہے۔

وھابی اور اہل حدیث

اسی سلسلے میں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ مناسب ہوگا۔ ہندوستان میں حضرت سید صاحب رح کی دعوت تجدید وجہاد کے ساتھ ساتھ اتباع سنت اور عمل بالحدیث کا چرچا بھی شروع ہوا۔ خود سید صاحب رح اور اُن کے خاص ماننے والے یعنی اہل صادق پور تو اپنے کو "حنفی مع القول بالترجیح" کہتے تھے۔ مگر خود سید احمد صاحب رح کی جماعت میں مولانا اسماعیل شہید رح (ش ۱۲۴۶ھ) کے اثر سے "خالص عاملین بالحدیث" کا بھی ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا۔ شروع شروع

یہ دونوں طبقے یعنی حنفی اور اہل حدیث ساتھ مل کر کام کرتے رہے، دونوں کا زور جہاد پر تھا۔ اور ان فروعی مسئلوں میں وہ رواداد تھے۔ مگر آگے چل کر جب مجاہدین کی داروگیر شروع ہوئی اور ہر آمین بالجہر کہنے والے پر "وہابی" کا شبہ کیا گیا۔ اور وہابی کے معنی سرکاری زبان میں 'باغی' کے ہو گئے (جیسا کہ آئندہ صفحات میں آتا ہے)۔ ہندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی۔ اور ان کے سرگروہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ۱۲۵۶ھ - ۱۳۳۸ھ نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا۔ اور حد یہ کہ وقت کے بعض مشہور حنفی علماء[1] کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دئے[2]۔ ان بیچارے کو یہ ہوش نہیں رہا کہ وہ اپنے کو سرکار کی زد سے بچانے کی فکر میں کیا کر رہے ہیں۔ اور اپنی جماعت کو کس پستی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین صاحب اور انہیں جیسے بعض علماء اہل حدیث کی روش کا یہ نتیجہ ہوا کہ موجودہ جماعت اہل حدیث کا عام رجحان فروعی مسئلوں تک، محدود ہو کر رہ گیا ہے لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ پوری جماعت 'اہل حدیث' ایسی ہی ہے۔ حاشا وکلا! انہیں میں اہل صادق پور بھی ہیں، جو سید صاحب رح کے عشق و محبت میں خود اُن کے اہل خاندان سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں، نیز ہندوستان کے طول و عرض میں سینکڑوں۔ اہل حدیث ایسے ملیں گے جن کے دل اب بھی جذبۂ جہاد سے معمور ہیں۔ اور وہ اپنے اسلاف کی روش پر سختی کے ساتھ قائم ہیں۔ اس کے علاوہ

عـ۱ـ مولانا فضل حق خیرآبادی (اسیر انڈمان متوفی ۱۲۷۸ھ) اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکہ (ف ۱۳۱۷ھ) رحمہم
عـ۲ـ رسالۂ اشاعت السنۃ۔

سید صاحبؒ کے ماننے والے اور ان کے مسلک کے مطابق جہاد و اصلاح کا ولولہ رکھنے والے اہل حدیث طبقہ کے اندر محدود نہیں۔ اہل دیوبند (جو پکے حنفی ہیں) کا ایک اچھا خاصہ طبقہ سید شہیدؒ کے مسلک پر چلنا اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتا ہے۔ اہل دیوبند اور جماعت اہل حدیث کے علاوہ بھی، سمجھدار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سید صاحبؒ اور مولانا شہیدؒ کے مشرب و مسلک کو عین اسلام تصور کرتی ہے۔ یہ تمام طبقے اصطلاحی "وھابی" کی فہرست میں آتے ہیں۔ مگر انہیں اہل حدیث نہیں کہا جا سکتا۔ اہل حدیث، ایک بالکل دوسری جماعت ہے، جو باطنیوں اور شیعوں کے توڑ کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ اور یہ کوئی نئی جماعت نہیں۔ بنو عباس کے اوائل عہد (دوسری صدی ہجری) ہی میں محدثین اور اہل حدیث، کا گروہ ممتاز اور مشہور تھا۔ یہ اور بات ہے کہ موجودہ جماعت اہل حدیث آمین و رفع یدین اور اس قسم کے دو چار فروعی مسئلوں پر قانع ہو کر رہ گئی ہے ـــــــــــ

خلاصۂ کلام یہ کہ ہندوستان کے اصطلاحی "وھابی" اور ہیں اور اہل حدیث، اور۔ اور راقم[۱] ان دونوں لفظوں کے استعمال میں اس فرق کو ملحوظ رکھتا ہے۔ گو سچ پوچھئے تو لفظ "وھابی" کا اطلاق کسی گروہ پر صحیح نہیں۔

۱۔ راقم کو اگر کوئی طنزیہ "وھابی" کہتا ہے، تو تردید کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ لیکن اگر کوئی اہل حدیث کے نام سے یاد کرے تو اس سے براءت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ "اہل حدیث" سے تحزب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔ بالکل ویسے ہی جیسے موجودہ دور میں "حنفیت"، اور شافعیت وغیرہ (فقہی) مذاہب ہونے کی جگہ مستقل "دین" بن کر رہ گئی ہیں۔ ہر طرف تحزب اور فرقہ بندی کا زور ہے، ضرورت اصول پر زور دینے اور فروع میں روادار ہونے کی ہے۔

تیسرا باب

سید احمد شہیدؒ(1) سنہ ۱۲۰۱ھ تا سنہ ۱۲۴۶ھ

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (یا ہندوستانی ’وہابیت‘) کے محرک اور قائد، حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کی ولادت پہلی محرم الحرام سنہ ۱۲۰۱ھ کو ہوئی۔ تکیہ رائے بریلی (اودھ) میں حسنی سادات کا مشہور خاندان آباد ہے۔ سادات کا یہ تکیہ، (جو دائرہ شاہ علم اللہؒ کے نام سے بھی مشہور رہے) رائے بریلی شہر سے میل ڈیڑھ میل دور ایک نہایت ہی پُر فضا ٹیلے پر واقع ہے۔ سید صاحبؒ اسی حسنی خاندان کے گوہر شب چراغ تھے۔ آپ نے رسمی تعلیم بہت کم پائی۔ مشیت کو کچھ اور کام لینا تھا، معلموں نے لاکھ جتن کئے، پر آپ کی طبیعت تعلیم کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ جب آپ کی عمر سترہ سال کی ہوئی۔ اور شفیق باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ تو روزگار کی تلاش میں گھر سے چل کھڑے ہوئے۔ لکھنؤ میں ایک مسلمان نواب کے ہاں کچھ دنوں ملازمت کی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے، اور شاہ عبدالقادرؒ صاحب دہلوی (ف سنہ ۱۲۳۶ھ) کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ

---

(1) یہاں مضمون کے تسلسل کے لئے ہم نے صرف بہت ضروری اور مختصر حالات درج کئے ہیں۔ تفصیل کے لئے مولوی جعفر صاحب تھانیسری (ف سنہ ۱۹۰۵ء) کی سوانح احمدی، اور مولانا ابو الحسن علی حسن ندوی (مولود سنہ ۱۳۳۲ھ) کی سیرت سید احمد شہید، مطالعہ کی جائے۔

دہلوی (ف ۱۲۳۹ھ) کے دست مبارک پر بیعت کی ـــــــ یہ ۱۲۲۲ھ کا ذکر ہے، جب آپ کی عمر ۲۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔ دہلی کے اس پہلے سفر کے بعد آپ وطن لوٹ آئے اور تقریباً دو برس وہیں رہے۔ اسی مدت میں آپ نے نکاح کیا پھر دوبارہ دہلی تشریف لے گئے (تقریباً ۱۲۲۴ھ)

اسی زمانے میں آپ کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہوا اس لئے آپ وہاں سے نواب امیر خان (جو بعد کو نواب ٹونک ہوئے) کے پاس چلے گئے۔ ان کی فوج میں ایک مدت تک (سوانح احمدی میں یہ مدت' سات برس' بیان کی گئی ہے) جہاد کی ترغیب دیتے رہے۔ لیکن وہاں فضا ساز گار نہ تھی[1]۔ نواب صاحب نے انگریزوں سے صلح کر لی۔ مجبوراً پھر دہلی کا رُخ کیا (۱۲۳۱ھ)۔ وہاں پہنچ کر آپ کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (ف ۱۲۳۹ھ) کے داماد مولانا عبدالحیؒ (ف ۱۲۴۳ھ) اور ان کے بھتیجے مولانا شاہ اسماعیل شہید (ش ۱۲۴۶ھ) اور خاندان ولی اللہی کے دوسرے سر کردہ حضرات' آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ اور ارشاد و ہدایات کا سلسلہ پھیلنے لگا۔ مولانا عبدالحیؒ اور مولانا شہیدؒ کی معیت میں آپ نے ملک کے اطراف و اکناف کے دورے کئے۔ جہاں گئے' ان کے دم قدم سے توحید کی تعلیم پھیلی اور شرک و بدعت کی اندھیاری کافور ہوئی۔ سوانح پڑھئے تو آپ کی تاثیر و جاذبیت کا کچھ عجیب حال نظر آتا ہے' اثر پذیری اور جاذبیت کے ایسے دل فریب مرقعے عہد صحابہؓ کے بعد پھر دیکھنے میں نہیں آئے۔ بے جا عقیدت اور شخصیت پرستی کے

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:۔ سیرت سید احمد شہید :۔ طبع دوم ص ۶۴ – ۶۲

جذبے سے بالکل الگ ہوکر عرض کیا جاتا ہے کہ سید صاحبؒ اور اُن کے رفیقوں کے قدم جس زمین پر پڑ گئے، وہ سونا اُگلنے لگی ــــ اور ان کی نگاہیں جن دلوں میں اتر گئیں وہ حقائق و معارف کا گنجینہ بن گئے۔ ایک مثال ہو تو پیش کی جائے۔ بہرحال نہ جاننے والوں کے لئے عرض ہے۔ بہار کے رئیس زادے اور ناظم بہار کے نواسے ولایت علی عظیم آبادی صادق پوری نے لکھنؤ میں شرف نیاز حاصل کیا، وہ نقد دل وہیں ہار بیٹھے۔ اور پھر ایسے حلقہ بگوش ہوئے کہ اپنی ذات تو خیر ایک چیز ہے، اپنے پورے خاندان کو قدموں پر لا ڈال دیا۔ اور پھر سید صاحبؒ کی تشریف آوری سے پٹنہ مشرف ہوا تو خاندان کے تمام افراد نے بیعت کی۔ اور دامن ارادت سے وابستہ ہو گئے، اس وابستگی کا نتیجہ دیکھنا ہو تو گورنمنٹ آف انڈیا کے ریکارڈ اٹھا کر دیکھو، مقدمات سازش کی روداد یں پڑھو، سرحد اور ماورائے سرحد کا تصور کرو سید صاحبؒ کی شہادت سے لیکر (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) چالیس پچاس برس تک مسلسل جس طرح اس خاندان نے جہاد کا علم سربلند رکھا۔ وہ ہندوستان کی تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے ــــــــــــ

بات کہاں سے کہاں جا پڑی۔ عرض یہ کرنا تھا کہ سید صاحبؒ اور ان کے رفیقوں نے ۱۲۳۱ھ اور ۱۲۳۶ھ کے درمیان شمالی ہند کے اکثر حصوں کا دورہ کیا، لوگوں کو توحید اور اصلاح بدعات کی تلقین کی۔ لاکھوں نے بیعت کی اور ہزاروں آپ کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ انھیں دنوں پنجاب میں سکھوں کے مظالم کی رودادیں سُننے میں آئیں۔ تو جہاد کا ارادہ تازہ ہو گیا۔

مگر پہلے سفر حج کو ترجیح دی۔ اثنائے سفر میں ہزاروں نے ہدایت پائی۔ گفتگو اور صحبت میں بلا کی تاثیر تھی سید صاحب رح کا سفر حج، بے شمار برکتوں کا باعث ہوا۔ تقریباً تین برس مسلسل سفر میں رہے۔ پہلی شوال ۱۲۳۶ھ عین عید کے روز (۲ جون ۱۸۲۱ء) نماز کے بعد رائے بریلی سے رخت سفر باندھ کر روانہ ہوئے۔ چار سو مرد اور عورتیں بچے اس قافلہ میں تھے، ہر منزل پر قیام اور تبلیغ کرتا ہوا مبلغین اور مجاہدین کا یہ قافلہ عید الضحیٰ ۱۲۳۷ھ/۱۸۲۲ء میں حج بیت اللہ سے مشرف ہوا۔ پھر مدینہ منورہ کی زیارت کی۔ اور دو تین مہینوں کے بعد مکہ مکرمہ واپس ہوا۔ اور وہاں سات آٹھ مہینے قیام کر کے ذیقعدہ ۱۲۳۸ھ/۱۸۲۳ء میں بادل محزوں و دیدہ پرنم علماء و صلحاء کا یہ گروہ وطن مالوف کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اور ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ (۳۰ اپریل ۱۸۲۴ء) کو (یعنی تقریباً تین برس کی غیر حاضری کے بعد) یہ قافلہ پھر اپنی منزل پر واپس آگیا۔ مجاہدین کے کرم فرما ولیم ولسن ہنٹر فرماتے ہیں کہ "سید صاحب کو مکہ معظمہ سے نکالا گیا" اور ان کے ساتھ برا برتاؤ کیا گیا، ہم اس کے برعکس دیکھتے ہیں کہ وہ حج کے بعد بھی سات آٹھ مہینے حرم میں اقامت فرما ہیں، اور بلاد حرام کے ممتاز علماء آپ کے فیض صحبت سے مشرف ہو رہے ہیں — غلط بیانی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

جہاد

حج کے بعد پھر وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر اب کے اصلی زور جہاد و ہجرت پر تھا۔ مولانا شہید رح اور مولانا عبد الحی رح اور دوسرے ممتاز حضرات مختلف اطراف میں تبلیغ و ارشاد کے لئے بھیجے گئے۔ ساتھ ساتھ جہاد کی عملی تیاریاں ہونے لگیں۔ اس وقت پنجاب سب میں

سکھا شاہی کا زور تھا۔ مسلمانوں کی مسجدیں اور عبادت گاہیں ان کے تصرف میں تھیں۔ غریبوں کی آبرو بھی محفوظ نہیں رہی تھی۔ غرض مظالم کا ایک بے پناہ سیلاب تھا جو پانچ دریاؤں کی مسلم آبادی کو بہائے لئے جا رہا تھا۔ آنکھیں سب کچھ دیکھتی تھیں۔ مگر قوائے عمل مفلوج ہو چکے تھے۔ تیرہویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) کا آغاز مسلمانانِ ہند کے لئے مصیبت و ابتلا کی گھڑی تھی۔ یوں بھی یہاں کبھی اسلامی حکومت نہیں قائم ہوئی۔ مگر اب تو نام کی مسلمان حکومت کا بھی جنازہ نکل رہا تھا یا نکل چکا تھا۔ جس ملک میں بادشاہ اور کشور کشا کی حیثیت سے صدیوں تک پھریرے اڑاتے رہے۔ اب اس کا چپہ چپہ ان کے خون کا پیاسا تھا۔ اور طرّہ تو یہ کہ جس راہ سے وہ ہندوستان داخل ہوئے تھے اور جہاں باہر سے آنے والی قومیں زیادہ تعداد میں آباد تھیں، خود وہاں کی زمین ان پر تنگ ہونے لگی۔ حالانکہ قرب و جوار میں مسلمان نام رکھنے والی چھوٹی بڑی ریاستیں اب بھی موجود تھیں۔ سرحد میں خوانین کے مختلف گھرانے اپنی نسلی شرافت اور روایتی شجاعت پر بدستور نازاں تھے۔ لیکن...... لیکن کشورِ ہند کے طول و عرض میں اگر اللہ کا نام لیکر کوئی اٹھا، تو وہ چند سر پھرے "مولوی" اور "ملّائے" تھے۔ مسندِ درس پر "قال اللہ" اور "قال الرسول" کا کلمہ رٹنے والوں نے میدان کارزار میں مسندِ جہاد بچھانے کی ٹھانی۔ یہ اللہ کے بے برگ و نوا بندے صرف اسی کی رحمت و توفیق کے بھروسے پر، سید احمد بریلویؒ کی قیادت میں گھر بار چھوڑ چل کھڑے ہوئے۔ خوب معرکے آرا ہوئیں۔ قرآن و حدیث کا درس دینے والوں نے شمشیر زنی اور توپ افگنی کے

خوب خوب جوہر دکھائے۔ کامیابی و کامرانی ان کے ہمرکاب تھی۔ ظفرمندی قدم لینے کو آگے بڑھی۔ پشاور کی سرزمین نے اطاعت میں سبقت کی۔ قریب تھا کہ سارا پنجاب و سرحد اسلامی نور سے جگمگانے لگتا۔ اور ایک مرتبہ پھر خلافت راشدہ کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے آجاتا۔ مگر ابھی مسلمانوں کے بُرے دن لکھے تھے۔ بُرا ہو نسلی غرور اور قبائلی عصبیت کا، جس نے اس تمام کئے کرائے، پر پانی پھیر دیا۔ کچھ مجاہدین کی ناتجربہ کاری، کچھ علماء سوء کی تفریق انگیز حرکات، اور سب پر مستزاد، افغان سرداروں کی جاہلانہ عصبیت، ان سب چیزوں نے مل ملا کر کایا پلٹ دی۔ حنفیت و وہابیت کے جھگڑے الگ کھڑے ہو گئے علماء سوء اور قبر پرستوں نے مجاہدین امت پر کفر کے فتوے لگائے۔ سرحد کے خوانین نے اپنے مرشد اور محسن سے غداری کی .... نتیجہ یہ ہوا کہ سید شہید رح نے بالاکوٹ میں جام شہادت نوش فرمایا۔ مولانا اسماعیل شہید رح بھی دلی مراد پا گئے۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ؛ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

یہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ یوم جمعہ (۶ مئی ۱۸۳۱ء) شہر بالاکوٹ(۱) کا ذکر ہے۔ خامہ بے نوا، ادب سے سر جھکا اور عرض کر۔ "بالاکوٹ کی سرزمین!! تجھ پر اللہ کی ہزار ہزار رحمت کہ تیری خاک بھی امت کی بہترین آرزوئیں آسودہ خواب ہیں"

---

(۱) بالاکوٹ ضلع ہزارہ کے کوہستانی علاقے میں وادی کاغان کے جنوبی دہانے پر واقع ہے۔

ایک طرف ان نفوس قدسیہ کی یہ قربانیاں اور فداکاریاں ہیں! اور دوسری طرف ہندوستان کے بے شرم مسلمانوں کی طرف سے "تکفیر و تفسیق" کا صد سالہ لٹریچر، جو بدایوں سے لے کر مدراس تک پھیلا ہوا ہے، خانقاہوں میں بیٹھ کر، جوگیوں کی طرح مالا جپنے والے، سید احمد رح اور اسماعیل شہید رح جیسے مجاہدین امت پر کفر کے فتوے لگائیں۔ مسلمانان ہند پر اس سے زیادہ اور کوئی منحوس گھڑی نہیں آئی۔ اور بدنصیبی یہ ہے کہ بدبختوں نے آج تک اللہ کے ان برگزیدہ بندوں کو معاف نہیں کیا۔ 'مشہد بالاکوٹ' کو آج سو برس سے اوپر ہو چکے ہیں، مگر ان پاک ارواح پر "طعن و تشنیع" کا سلسلہ جاری ہے۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

بالاکوٹ کی تربت میں آرام کرنے والو! تم کو اللہ کی رحمت اور سلام!! تمہاری ہڈیاں پھولوں میں بہیں اور اللہ تمھیں شہدا اور صالحین کی صف میں جگہ دے۔

اللهم اغفرلهم واحشرهم في زمرة المهاجرين الاولين الذين هاجروا وجاهدوا مع نبيك محمد صلى الله عليه وسلم

ہم گنہگاران کی مغفرت کے لئے کیا دعا کریں؟ شاید ان کے اعمال حسنہ کی یاد میں کچھ ہمارے گناہ بھی معاف ہو جائیں۔

دعوت اور مشن

سید صاحب رح کی دعوت خالص کتاب و سنت کی دعوت تھی۔ بدعت و شرک کا مٹانا ان کا مشن تھا۔

وہ دین محمدی میں عہد فاروقی کی پاکیزگی اور شوکت پیدا کرنا چاہتے تھے۔
توحید خالص کی تبلیغ [1]، قبر پرستی کا استیصال [2]، مراسم تعزیہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ [3]
پھینکنا اور نکاح بیوگان [4] کی ترویج ان کی دعوت کے اہم اجزا تھے۔ ان کی
دعوت کامیاب ہوئی یا ناکام؟ اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، زمانہ
شاہد ہے، اور گذشتہ صدی کی تاریخ گواہ ہے کہ اس وقت تک اسلامی ہند
میں جو کچھ اصلاح و تجدید ہو سکی ہے، سب کی سب سید شہید رح اور ان کے
کفش برداروں کی انتھک کوششوں کا نتیجہ ہے۔ کم سے کم پورب کے
علاقوں میں روشنی کی جھلک سراسر اسی آفتاب عمل کا فیض ہے۔ صادق پور
(عظیم آباد) کا مشہور خاندان سید شہید رح اور ان کے ایک مرید مولانا ولایت علی
صادق پوری (وفات ۱۲۶۹ھ) کی بدولت دنیائے عمل میں آفتاب و ماہتاب
بن کر چمکا۔ اور ایک پورب پر کیا منحصر ہے، دلی، رام پور، جون پور، روہیلکھنڈ
مدراس ...... اس آفتاب تجدید کی شعاعیں کہاں نہیں پہنچیں؟ سید صاحب
اور ان کے خدام نے ملک کے طول و عرض میں جس طرح اصلاح و تجدید عادات
کا فریضہ ادا کیا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہئیے سینکڑوں واقعات
اب تک قلم بند نہیں ہو سکے ہیں۔ اسی قسم کا ایک واقعہ والد ماجد مولانا حکیم
محمد عبد الشکور صاحب مدظلہ (مولود سنہ ۱۲۹۰ھ) نے گذشتہ شوال (سنہ ۱۳۶۳ھ)
کے موقع پر زمینیہ[1] (غازی پور) کے ایک غازی صاحب رح کا بیان فرمایا تھا:

(۱) مشرقی یوپی کے ضلع غازی پور کا ایک مشہور قصبہ۔

اور اب خادم کی درخواست پر گرامی نامہ مورخہ ۱۹ محرم الحرام ۱۳۹۲ھ میں اس کی تفصیل بھی کر دی ہے۔ نامناسب نہ ہوگا، اگر گرامی نامہ پورا کا پورا یہاں نقل کر دیا جائے:

"زمانیہ کے غازی صاحب رح کے متعلق اتنا یاد ہے کہ اندازاً ۱۳۰۱ھ یا ۱۳۰۲ھ، جس زمانے میں میری عمر بارہ سال کی ہوگی۔ ایک شخص غازی پور، زمانیہ کے رہنے والے، قدو قامت میں لمبے چوڑے، ضعیف[1] العمر، مگر طاقت و قوت و دلیری میں جوانوں کو مات کرتے تھے۔ تہجد گذار، متبع سنت، مولوی کفر توڑ کے نام سے مشہور تھے۔ ان کے ساتھ ایک موٹا عصا، جس میں لوہے کا پھل لگا ہوا تھا، ساتھ رکھتے تھے۔ اور کہتے کہ یہ کفر توڑ ہے۔ جہاں کہیں جاتے، ان کا کام یہ تھا کہ جہاں امام باڑہ کا چبوترہ دیکھتے، اسی کفر توڑ سے اکھاڑتے۔ جب وہ بنارس میں میری موجودگی میں پہنچے۔ تو مولوی محمد سعید[2] صاحب مرحوم کے یہاں قیام کیا۔ محلہ دارانگر کی مسجد میں (جس میں مولوی صاحب مع اپنے طلباء و متبعین کے نماز پنجگانہ ادا کرتے تھے) صحن مسجد کے وسط میں ایک چبوترہ مربع تھا۔ جس[3] پر تعزیہ رکھا جاتا تھا۔ تین چار روز تک پڑا رہتا تھا۔ جب مولوی کفر توڑ صاحب پہنچے، تو انھوں نے اس چبوترے کو

---

(۱) حساب سے کم سے کم ان کی عمر (۷۰ اور ۸۰) کے درمیان ہوتی ہے۔ (۲) مولانا محمد سعید صاحب محدث بنارسی (ف ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء۔ تراجم علمائے حدیث ہند۔ صفحہ ۳۵۶-۳۵۳) (۳) یہ محلہ دارانگر (بنارس) کی مسجد کا حال تھا۔ جہاں اہل حدیث حضرات کی اکثریت تھی۔ دوسری جگہوں کا جو حال ہوگا۔ اسی پر قیاس کر لیجئے، والد ماجد فرماتے تھے کہ ان دنوں عام طور پر مسجدوں میں امام باڑے ہوا کرتے تھے۔ اور اچھے اچھے عالم بھی اس پر ہاتھ رکھنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے۔

اکھیڑ کر پھینک دیا۔ چونکہ اس محلے میں مولوی صاحب مرحوم کے ماننے والوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے کچھ فساد نہیں ہوا۔ مولوی کفر توڑ صاحب مرحوم سید صاحب علیہ الرحمۃ اور مولانا شہید علیہ الرحمۃ کے ساتھ جہاد میں برابر شریک رہے۔ بعد شہادت سید صاحب رح کے وہ ہندوستان اپنے وطن میں رہنے لگے۔ ان کے جسم مبارک پر گولیوں اور نیزوں کے متعدد نشانات تھے، جس کو ہم لوگوں نے دیکھا۔ انھوں نے ہم چند لڑکوں کو جن میں ہمارے اخ معظم مرحوم[1] تھے۔ ایک روز تہجد کی نماز پڑھائی اور دعا، ماثورہ اللھم اجعل فی قلبی نوراً الخ لکھ کر پڑھوائی، اور کہا کہ روزمرہ سویرے ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو۔ اسی کا اثر تھا کہ کافیہ، تہذیب، مسلم، وغیرہ آسانی سے یاد کرلیتا تھا۔ اس زمانے میں میں کافیہ پڑھتا تھا۔"

مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ نے تذکرہ[2] میں لکھا ہے کہ اسلامی ہند میں بنائے تجدید کی ابتدا حضرت مجدد سرہندی رح (ف ۱۰۳۴ھ) نے کی۔ اور تعمیر و تزئین امام ولی اللہ دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ) کے ہاتھوں سے ہوئی۔ مگر "خاک و خون" سے کھیلنا "تتمۂ دودمان ولی اللہی" مولانا اسماعیل شہید رح (۱۱۹۶ - ۱۲۴۶ھ) کے لئے مقدر کیا گیا تھا۔ مولانا کے خیال میں تجدید و اصلاح کی تکمیل اور مقام امامت کی صحیح عملی تفسیر حضرت شہید رح دہلوی نے کی ہے۔

---

(۱) والد ماجد مولانا عبدالشکور مدظلہ اور میرے بڑے چچا مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم دونوں نے اپنے پھوپھی زاد بھائی مولانا سید عبدالکبیر صاحب بہاری (ف ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء) کی نگرانی اور سرپرستی میں دارانگر، بنارس میں ابتدائی تعلیم حاصل کی اور تکمیل کانپور اور علی گڑھ میں کی (تراجم علمائے حدیث ص ۳۶۲ - ۳۶۳) (۲) تذکرہ ص ۲۴۴ - ۲۴۶)

مولانا آزاد کو تمام جہادی سرگرمیوں میں، مولانا شہیدؒ کی روح کارفرما نظر آتی ہے۔ استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ، سید صاحبؒ اور مولانا شہیدؒ دونوں بزرگوں کو "تجدید دین کی تحریک" کا امام سمجھتے ہیں[1]۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی "شہیدین" کو امام ولی اللہ کی تجدید کا تتمہ سمجھتے ہیں[2]۔ راقم کو مولانا ابوالکلام آزاد سے زیادہ اور ان دونوں بزرگوں سے تھوڑا سا مودبانہ اختلاف ہے۔ ہمارے نزدیک مجدد سرہندیؒ اور امام ولی اللہ دہلویؒ کی تیار کردہ عمارت کی تکمیل حضرت شہید دہلویؒ کے پیر و مرشد حضرت سید شہید بریلویؒ کی ذات گرامی سے ہوئی ہے۔ اپنا اپنا تاثر اور اپنا اپنا وجدان ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاہب

راقم نے خود مولانا آزاد مدظلہ کی خدمت میں ایک موقع پر (لکھنو کانگریس ۱۹۳۶ء) اپنا خیال پیش کیا تھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ میرا ذاتی تاثر وہی ہے"۔ بہرحال اگر مرید و عقیدت مند ہی کی قسمت میں یہ بلند مرتبہ تھا، تو پیر و مرشد کے مراتب عالیہ کا اندازہ کون لگا سکتا ہے[3]؟

دعوت کا اہم عنصر

سید صاحب کی دعوت کا اہم عنصر جہاد فی سبیل اللہ ہے، اور یہی چیز اس تحریک تجدید و جہاد کو نجد کی دعوت توحید سے خاص طور پر ممتاز کرتی ہے۔ سید صاحبؒ کا کوئی وعظ

---

(۱) مقدمہ سیرت سید احمد شہید (۲) تجدید و احیائے دین صفحہ ۶۹

(۳) مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔ راقم کی کتاب "مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر" صفحہ ۴۵-۴۴

یا مکتوب ترغیبِ جہاد سے خالی نہیں ہوتا۔ انھوں نے صرف 'وعظ' پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنے مریدوں کے ساتھ گھر بار چھوڑ کر سرحد تشریف لے گئے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، سکھوں کے مظالم اُن کے سامنے تھے۔ مسلمان عورتوں کی عصمت و آبرو محفوظ نہیں رہی تھی۔ ان کا خون حلال ہو چکا تھا۔ گائے کی قربانی ممنوع تھی۔ مسجدوں سے اصطبل کا کام لیا جا رہا تھا۔ غرض وہاں وہ سب کچھ ہو رہا تھا، جس کا نقشہ عارف سیالکوٹی نے اپنے اس شعر میں کھینچا ہے ؎

خالصہ شمشیر و قرآں را ببرد
اندر آں کشور مسلمانی بمرد

انھیں حالات سے متاثر ہو کر سید صاحب رح نے باضابطہ 'جہاد' کا اعلان کیا۔ سکھوں کو پہلے اسلام کی دعوت دی۔ پھر معرکہ آرائی شروع ہوئی۔ جدھر کا رُخ کیا کامیابی قدم لینے کو آگے بڑھی۔ سید صاحب رح کی قوت روز بروز بڑھتی گئی۔ مجاہدین نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، آپ کی 'امارت' کا اعلان ہوا (۱۲۴۲ھ) خطبوں میں آپ کا نام پڑھا جانے لگا۔ دور اور نزدیک سے اطاعت اور معاونت کے پیام آنے لگے ...... مگر ہمارے بعض بزرگ کہتے ہیں(۱) کہ یہ 'بیعت امارت' ڈکٹیٹر شپ کا اعلان تھی اور مجاہدین نے سید صاحب رح کے دست مبارک پر 'امامت' و 'امارت' کی بیعت کر کے سخت غلطی کا ارتکاب کیا۔ راقم عرض کرتا ہے کہ اگر سید صاحب رح کی 'امارت' ڈکٹیٹر شپ

---

(۱) ملاحظہ ہو۔ مولوی عبیداللہ سندھی رح کی شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحات ۱۱۹-۱۵۳-۱۲۸ (طبع اول)

تھی، تو پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ اور سیدنا عمر فاروق رضؓ کی خلافت بھی ڈکٹیٹرشپ تھی، اور اگر یہ بیعت کوئی غلط چیز ہے تو اس سے پہلے صحابہ کرام رضؓ نے بھی اس قسم کی غلطیوں کا ارتکاب کیا ہے۔ آخر ساحران فرنگ کی ابلہ فریبیوں کا شکار ہم کب تک بنے رہیں گے؟ جمہوریت کی "نیلم پری" کا مکروہ چہرہ بے نقاب ہوچکا۔ اور دنیا سمجھ چکی ہے کہ:-

ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردوں میں نہیں غیر از نوائے قیصری

______ عرض یہ کر رہا تھا کہ سید صاحب رحؒ کی امامت و امارت پر باضابطہ بیعت ہوئی (۱۲ر جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ/۱۱ر جنوری ۱۸۲۷ء) ۔ اور ہند و بیرون ہند کے اہل نظر و فکر نے اس کی دلی تائید کی۔ لیکن...... لیکن اپنی بدنصیبی کا ماتم کن لفظوں میں کیا جائے؟ آنکھوں میں خون اتر آتا ہے، جب کبھی ملاؤں کے فتوے اور خوانین سرحد کی غداری یاد آتی ہے۔ مگر یہاں تو جی کڑا کر کے کسی نہ کسی طرح "روداد الم" قلمبند کرنا ہے۔ مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ جاہلی ملاؤں نے مجاہدین کو "وہابی" کہنا شروع کیا۔ جن کی امداد و معاونت کے لئے اس بے برگ و نوا سید زادے رحؒ اور اس کے جان نثاروں نے ہجرت کی مشقتیں گوارا کیں۔ وہ خود جان کے دشمن ہو گئے۔ کھانے میں زہر بھی دیا گیا۔ پشاور فتح ہو چکا تھا۔ مگر سرداران پشاور کی غداری کے باعث سید صاحب رحؒ کے مقرر کردہ عمال اور خاص اصحاب کا قتل عام ہوا۔ اور پھر اتنی بددلی ہوئی کہ وہ نواح پشاور کو چھوڑ کر وادی کاغان سے متصل راج دواری کی وادی کو

منتقل ہوگئے (شعبان ۱۲۴۶ھ) وہاں بھی سکھوں سے چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی۔ آخر بالاکوٹ میں وہ آخری معرکہ پیش آیا جس کا اجمالی تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بعض مقامی لشکریوں نے سکھوں سے رشوت لے لی۔ انہیں موقع مل گیا اور وہ یک بیک عقب سے حملہ آور ہوئے۔ موت سامنے تھی اور نعیم جنّت کی خوش خبری دلوں میں سمائی ہوئی۔ مجاہدین جان پر کھیل کر لڑے۔ مولانا اسماعیل شہیدؒ اور خود سید صاحبؒ نے جام شہادت نوش فرمایا۔ (۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ)

شہادت یا غیبوبت

بالاکوٹ کا حادثہ کچھ اس طرح پیش آیا، کہ شہدا کی تجہیز و تکفین بھی غیروں ہی نے کی۔ ان کی قبروں کا بھی ٹھیک ٹھیک علم نہیں۔ خود سید صاحبؒ نے بعض ایسی پیش گوئیاں کی تھیں، جن سے بعض کمزور دلوں میں یہ خیال پیدا ہوگیا کہ سید صاحبؒ شہید نہیں ہوئے۔ بلکہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے ہیں — اور دوبارہ ظاہر ہوکر دنیا کو شرک و بدعت سے پاک کریں گے — یہ خیال ایک عرصہ تک سید صاحبؒ کے عقیدت مندان خاص کے دلوں میں جاگزین رہا۔ اسی انتظار میں کتنے بیٹھے رہے اور بے نیل و مرام اس دنیا سے اٹھ گئے۔ سید صاحبؒ کے عقیدت مندوں اور ان کے نقش پر "گھربار لٹانے والوں" کا سب سے بڑا "قافلہ"[۱] صادق پور (پٹنہ) میں آباد تھا۔

---

(۱) خاندان صادق پور کے خاندانی مکان کو عرف عام میں "قافلہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

(وہ چمن تو ۱۸۶۵ء کی خزاں میں اُجڑ چکا۔ مگر اس کی نشانیاں "آشیانے" کے ارد گرد باقی ہیں اور ان کی اولاد اب تک وہیں مقیم ہے) ان میں یہ خیال عرصہ دراز تک قائم رہا۔ بعض بڑے مخلص اور متبع سنت علماء اس "توہم" کے شکار ہوئے۔ اور شائد اب بھی ان دلوں سے یہ عقیدہ نہیں نکل سکا ہے۔ گو درایت و عقل کی رو سے وہ سید صاحب رح کی شہادت کو تسلیم کرتے ہیں۔

—— یہ فرط محبت کی 'لغزش' تھی۔ گو 'لغزش' بہرحال لغزش ہے۔ اور یہ کوئی معمولی لغزش نہیں، پھر بھی ان کے حالات پر نظر رکھ کر زبان طعن دراز کرنے سے پہلے ذرا سوچ لینا چاہیئے۔ مولانا ابو الکلام آزاد مدظلہ، (جو مولانا محمد یوسف صاحب رنجور عظیم آبادی صادق پوری ف ۱۳۴۱ھ کی صحبت میں عرصے تک رہے اور اس لئے اہل صادق پور کے احوال و کیفیات سے اچھی طرح واقف ہیں) کا تاثر یہ ہے کہ گرتے ہوئے دلوں کو "تھامنے" کے لئے یہ شوشہ چھوڑا گیا تھا —— ہم نے ابھی کہا ہے کہ لغزش بہرحال لغزش ہے۔ لیکن اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ سچے اور بے ریا لوگوں پر افترا اور بہتان تراشا جائے۔

'حکمتِ ولی اللّٰہی' کے علم بردار مولانا عبید اللہ سندھی رح کہ (ف ۱۳۶۳ھ) نے مولانا ولایت علی صادق پوری (ف ۱۲۶۹ھ) اور اُن کے دوسرے رفیقوں اور ماننے والوں کی 'شیعیت' اور 'زیدیت' کا نام لگا کر جس طرح مطعون اور بدنام کرنے کی ناروا کوشش[1] کی ہے، اُسے تحریک تجدید و جہاد' کا مُورخ

(۱) ملاحظہ ہو۔ مولانا سندھی رح کی شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'۔ صفحہ ۱۵۹-۱۶۱-۱۹۵-۱۱۲، الخ اور راقم کی کتاب 'مولانا سندھی رح اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر'۔ صفحہ ۴۶-۸۷

کسی طرح نظرِ ثانی نہیں کرسکتا۔ ہم مولانا سندھیؒ کی قربانیوں اور علم و فضل کا انکار نہیں کرتے، لیکن سید شہیدؒ اور اُن کے "اصحاب باصفا" پر منہ آنا اُن کو زیب نہیں دیتا۔ اور اگر قربانیوں اور فداکاریوں، کے طفیل مولانا سندھیؒ کی لغزشیں قابل درگذر ہیں (جیسا کہ ان کے ایک عقیدت مند نے لکھا ہے) تو پھر سید شہیدؒ کے اصحاب خاص کی فروگذاشتیں۔ اور بھی زیادہ قابل درگذر ہوں گی؟ کیا وہ اور ان کے معتقدین ان مجاہدین راہ حق کی قربانیوں اور فداکاریوں سے بے خبر ہیں؟

اصلی نصب العین تاسیس حکومت الٰہیہ

پچھلے دو تین برسوں میں حضرت سید شہیدؒ اور ان کی تحریک تجدید و جہاد کے متعلق جہاں اور غلط بیانیاں کی گئیں ہیں، وہاں یہ بھی کہا گیا ہے[1] کہ سید صاحبؒ کی جماعت "دہلی کی سلطنت کی "کمزوری کو دور کرنے کے لیئے کھڑی" ہو رہی تھی۔ حالانکہ سید صاحبؒ اور ان کے مقصدِ جہاد کی اس سے زیادہ اور کوئی تنقیص نہیں ہو سکتی۔ سید صاحبؒ مکمل اسلامی نظام کے داعی تھے۔ دہلی کی حکومت کو ان کے بلند مقاصد سے کیا نسبت؟ کون نہیں جانتا کہ دہلی کی حکومت خاندانی شخصی حکومت تھی۔ اور خلافت راشدہ کے نمونے پر حکومت الٰہی کی تاسیس کرنا سید صاحبؒ کا نصب العین تھا۔ سید صاحبؒ کا مقصد اور نصب العین اس قدر واضح

---

(۱) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ اور مولانا سندھی اور ان کے افکار پر ایک نظر صفحہ ۱۱-۱۲

اور روشن ہیں کہ ان میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہونا چاہیئے تھی، ان کا جہاد خالص، اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تھا۔ یہ موافق و مخالف سب پر عیاں ہے، مگر جب ایک غلط بیانی علم وتحقیق کا جامہ پہن کر منظر عام پر آچکی ہے تو اس کی مناسب وواضح تردید بھی ضروری ہے۔ لیجئے جہاد و ہجرت اور نصب امامت کا مقصد عالی خود سید صاحب رح کی زبان سے سنئے۔ سردار سلطان محمد خاں اور سردار سعید محمد خاں کو تحریر فرماتے ہیں۔

رب غیور کہ علیم بذات الصدور است آگاہ است براین معنی کہ این جانب را از قبول این منصب غیر از اقامت جہاد بروجہ مشروع وحصول معنی انتظام در عساکر اہل اسلام غرض دیگر از اغراض نفسانیہ ..... نیست ..... آرے این قدر آرزو دارم کہ در اکثر افراد بنی آدم بلکہ در جمیع اقطار عالم احکام رب العالمین کہ مسمیٰ بالشرع متین است بلا منازعت احدے نافذ گردد۔

(سیرت سید احمد شہید، ص ۱۱۱ - ۱۱۰)[1]

رب غیور جو کہ دلوں کا حال اچھی طرح جانتا ہے، اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ اس منصب (امامت) کے قبول کرنے سے اس کے سوا میری کوئی دوسری نفسانی غرض نہیں کہ جہاد کو شرعی طریقے پر قائم کیا جائے اور مسلمانوں کی فوجوں میں نظم وقائم ہو ... ہاں! اس قدر آرزو رکھتا ہوں کہ اکثر افراد انسانی بلکہ تمام ممالک میں رب العالمین کے احکام جن کا نام شرع متین ہے، بلا کسی کی مخالفت کے جاری ہو جائیں۔

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے سیرت سید احمد شہید (ص ۱۷۰ - ۱۵۹) ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

کیا اس کے بعد بھی کہا جائے گا کہ سید صاحب رح دلّی کی حکومت کی کمزوری دور کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے؟

مشہور خلفاء

سید صاحب کے دست مبارک پر بے شمار علماء نے جہاد و اصلاح کی بیعت کی۔ ایک اچھی خاصی تعداد سرحد و پنجاب کے معرکوں میں کام آئی۔ دوسروں نے شرک و بدعت کے مٹانے میں بڑی نمایاں خدمتیں انجام دیں۔ اور بلاشبہ آج اسلامی ہند میں جو کچھ صحیح الخیال اور اتباع "سنت" کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ ان ہی اربابِ صدق و صفا کی کوششوں کا رہین منت ہے۔

یوں تو خلفاء کی تعداد بہت ہے، لیکن ان میں مشہور ترین اصحاب کے نام یہ ہیں۔

(۱) مولانا عبدالحی بڈھانوی رح (ف سنہ ۱۲۴۳ھ) (۲) مولانا اسماعیل شہید رح (ش سنہ ۱۲۴۶ھ) (۳) مولانا ولایت علی صادق پوری رح (ف سنہ ۱۲۶۹ھ) (۴) مولانا محمد علی رام پوری رح (ف سنہ ۱۲۵۸ھ) (۵) مولانا سخاوت علی جون پوری رح (ف سنہ ۱۲۷۴ھ) (۶) مولانا کرامت علی جون پوری رح (ف سنہ ۱۲۹۰ھ)۔

ان میں مولانا عبدالحی داماد مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رح اپنے پیر و مرشد کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔ مولانا اسماعیل نے بالاکوٹ میں اپنے پیر اور امیر کا حق رفاقت ادا کیا۔ مولانا سخاوت علی (مولود سنہ ۱۲۲۶ھ) اور مولانا کرامت علی (مولود سنہ ۱۲۱۵ھ) نسبتہً کم عمر تھے۔ مولانا سخاوت علی نے مکہ معظمہ کو ہجرت کی، اور وہ بڑی حد تک اپنے شیخ رح کے مسلک اور طریقہ

قائم رہے، مولانا کرامت علی (ت ۱۲۹۰ھ) نے بڑی عمر پائی۔ اور بنگال میں ایک عرصے تک وہ تبلیغی دورے کرتے رہے، مگر ان کے روش اپنے شیخ رح اور ان کے اصحاب خاص کے مشرب سے الگ ہوگئی تھی(۱)۔ رہ گئے۔ مولانا محمد علی رام پوری اور مولانا ولایت علی صادق پوری۔ ان دونوں بزرگوں کو خود سید صاحب رح نے میدانِ جہاد ہی سے مدراس اور دکن تبلیغی مہم پر بھیج دیا تھا۔ اور دونوں نے اپنے فرائض بیحد جوش اور ولولے کے ساتھ انجام دئے۔ شہادت کی خبر ان دونوں بزرگوں کو علی الترتیب مدراس اور دکن ہی میں ملی۔ اس کے بعد مولانا محمد علی وطن کو لوٹ آئے، پھر دوبارہ مدراس تشریف لے گئے (۱۲۵۱ھ)۔ اور وہاں آپ کو علماءِ سو اور بدعت نواز مسلمانوں نے بڑی تکلیفیں دیں۔ اس لئے دوسری مرتبہ وہاں زیادہ قیام نہ ہوسکا، اور واپس چلے آئے۔ (اواخر ۱۲۵۲ھ)۔ اپنی عمر کے آخری چھ سال آپ نے تذکیر و تبلیغ میں صرف کئے اور ۱۲۵۸ھ میں وفات پائی۔

---

(۱) مجاہدین اور اتباع سید احمد شہید رح کے سب سے بڑے واقف کار مسٹر جیمس اوکنلی (James. O'Kinley.) نے شہادت دی ہے کہ مولوی کرامت علی صاحب برطانوی حکومت کے مؤید اور وہابیوں کے پکے مخالف (Persistant opponant. of Wahabis.) تھے۔ یہ تصدیق نامہ راج محل (بہار) میں ۳۱ راکتوبر ۱۸۷۰ء کو دیا گیا تھا۔ جسے خود ان کے پوتوں نے فخریہ ۱۹۱۲ء میں طبع کرایا تھا (وہ خوبصورت اور نظر فریب پمفلٹ راقم کی نظر سے گذر چکا ہے) اس میں ان کے صاحبزادے مشہور ادیب مولوی عبدالاول صاحب جون پوری اور حافظ احمد صاحب کی وفاداری کی بھی تصدیق ہے۔ ان کے علاوہ راقم بھی یہ اچھی طرح جانتا ہے کہ عقائد و اعمال میں وہ سید صاحب رح کے اصحاب خاص کی روش سے بالکل الگ تھے۔ سیرت سید احمد شہید رح طبع دوم ص ۳۷۸-۳۷۲ کے بیانات سے غلط فہمی کا اندیشہ ہے۔ اس لئے راقم نے خالصۃً لوجہ اللّٰہ یہ حقیقت آشکارا کردی۔

چوتھا باب

سید صاحب رح کے بعد

مولانا ولایت علی صادق پوری رح

ابھی اوپر گذر چکا ہے کہ حادثہ بالاکوٹ کے وقت سید شہید رح کے دو بڑے اور ممتاز رفیق مدراس اور دکن میں تبلیغی خدمات پر مامور تھے، مشیت الہیٰ یہی تھی کہ سید صاحب رح کے بعد بھی "آگ و خون" کی ہولی کھیلی جاتی رہے۔ میدان جہاد سے ان دونوں بزرگوں کی دوری اور سلامتی میں یہی راز[1] پنہاں معلوم ہوتا ہے:

بہر حال مولانا محمد علی رح رام پوری (م ۱۲۵۸ھ) فاجعہ شہادت (۱۲۴۶ھ) کے بعد (۱۲) سال تک خاموش طریقہ سے تبلیغ و اصلاح کے مفید کام کرتے رہے، مگر وہ کہ جس کے کندھوں پر سید شہید رح کی جانشینی کا بار پڑ گیا تھا، اس کی روش اس خاموش طریقہ "تبلیغ" سے الگ رہی ——————

—————— فاجعہ بالاکوٹ کے بعد تمام ملک پر اداسی چھائی ہوئی تھی۔ جماعت تتر بتر ہو گئی، اچھوں اچھوں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے، جہاد کا سارا "کام"

---

(۱) مولانا ولایت علی رح صاحب پر میدان جہاد سے علیحدگی اور سید صاحب رح کی جدائی بہت شاق تھی۔ سید صاحب رح نے آپ سے فرمایا کہ "مولانا ہم آپ کو تخم کر کے اٹھاتے ہیں یعنی اس ایک تخم سے ہزاروں درخت پیدا ہوں گے"

ختم ہوا چاہتا تھا، کہ عظیم آباد، پٹنہ محلہ صادق پور کے ایک فرد نے یہ گرتا ہوا علم اپنے ہاتھوں سے تھام لیا اور زندگی بھر اپنے سینوں سے لگائے رکھا۔ اور پھر اس "فرد کامل" کے بعد، اُس کے بھائیوں، بھتیجوں، عزیزوں نے جس طرح اپنے خون سے اس نخلِ خزاں دیدہ، کی آبیاری کی ہے، وہ اسلامی ہند کی پوری تاریخ میں اپنی آپ مثال ہے۔ افسوس کہ ولیم ولسن ہنٹر (W. W. Hunter) کی گمراہ کن اور اشتعال انگیز کتاب۔ ہندوستانی مسلمان (Our Indian Mussalmans.) ان کشتگانِ خنجرِ تسلیم، کے متعلق اور کوئی چیز اردو میں نہیں آئی۔ مولانا عبدالرحیم صاحب۔ صادق پوری (مولود سنہ ۱۲۵۲ھ اسیر انڈمان ۱۸۶۴ء/۱۲۸۱ھ - ۱۸۸۳ء/۱۳۰۰ھ متوفی در عظیم آباد سنہ ۱۳۴۱ھ) کی تذکرہ صادقہ، مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری (اسیر انڈمان، متوفی سنہ ۱۹۰۵ء) کی تواریخ عجیب میں بکھرے ہوئے معلومات ہیں۔ مگر ان کتابوں کو اب پڑھتا کون ہے؟ (مولانا ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد شہید میں انھیں ماخذ سے لے کر اچھی خاصی مرتب اور مسلسل روداد، قلم بند کر دی ہے" مگر آنسو کے ان چند قطروں سے اُس پاک اور طاہر خون کا حق تو ادا نہیں ہو سکتا، جو مسلسل چالیس سال (سنہ ۱۸۳۱ء - سنہ ۱۸۷۱ء) بنگال کے مشرقی اضلاع سے لے کر سرحد اور ماورائے سرحد کی پتھریلی اور پیاسی زمینوں تک بے دریغ بہایا گیا۔ حق یہ ہے کہ ان بلاکشانِ راہِ عزیمت کا ادنیٰ حق بھی اب تک ادا نہیں ہو سکا ہے۔ خود راقم الحروف اس "کوتاہی" کا معترف ہے اور اللہ تعالےٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ مستقبل قریب میں اِس فرضِ کفایہ، سے سبکدوش ہونے کے قابل ہو۔

راقم کا کچھ عجب حال ہے، جہاں مجاہدین راہ حق کا ذکر آیا، وہ تمام "اگلی اور پچھلی" بے انصافیاں اور غلط بیانیاں ایک ایک کرکے یاد آنے لگتی ہیں، جو "ارباب ہوا و ہوس" نے ان بزرگوں کے متعلق روا رکھی ہیں اور راہوار قلم بے قابو ہونے لگتا ہے........ بہرحال عرض یہ کرنا تھا کہ شہید بالاکوٹ (۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء) پر سید صاحب رح کی شروع کی ہوئی تحریک تجدید و جہاد بالکل ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ سید صاحب رح کی شہادت کے بعد قیادت کی باگ مولانا ولایت علی رح صادق پوری عظیم آبادی (مولود ۱۲۰۵ھ) نے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ ابھی وہ دکن میں تبلیغ و ارشاد کے فرائض انجام دے رہے تھے کہ فاجعہ بالاکوٹ پیش آیا۔ امیر و شیخ رح کی شہادت کی خبر سنتے ہی وہ عظیم آباد واپس ہوئے اور دعوت و تبلیغ کی از سر نو تنظیم شروع کی۔ بنگال، بہار، دکن، مدراس، مختلف صوبوں کو مبلغ بھیجے، رد بدعت پر متعدد کتابیں شائع کیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اپنے خاندان میں عمل بالسنۃ کی تجدید کی۔ صوبہ بہار و بنگال میں نکاح بیوگان کا آغاز آپ ہی کے(1) خاندان سے شروع ہوا، جس طرح ہندوستان میں نکاح بیوگان کی پہلی مثال خود سید شہید رح نے اپنے خاندان میں قائم کی تھی۔ اس نکاح کا بڑا شور و غل رہا، پھر "بڑے حضرت" (مولانا ولایت علی صاحب رح اپنے خاص حلقوں میں اس لقب سے یاد کئے جاتے ہیں) نے اس سنت کو خوب جاری کیا

مولانا ولایت علی رح نے یہ سنت پہلے پہل خود اپنی ذات سے زندہ کی۔ مولوی الٰہی بخش صاحب جعفری رح صادق پوری (سالہ ۱۲۳۵ھ) نے اپنی بیوہ لڑکی مسماۃ جمیلۃ النساء (جن کے شوہر مولوی قمر الدین معرکہ بالاکوٹ میں شہید ہو چلے تھے) کا عقد آپ سے کر دیا۔ مولانا رح کے چھوٹے بیٹے مولوی محمد حسن ذبیح (ف ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹ء) جنھوں نے سولہ سال کی عمر میں اسیران بلا (۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء) کے مقدمات کی محیر العقول طریقے پر پیروی کی۔ اسی بطن سے پیدا ہوئے (۱۲۶۲ھ)

اور ہزاروں بیوہ عورتوں کے نکاح کرادئے۔

آپ کی ذات سے جو احیائے سُنت ہوا، اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ عہد حاضر کے "روشن خیال" حضرات کو یہ چیزیں معمولی اور حقیر معلوم ہونگی۔ لیکن جب آپ آج سے سو برس پہلے کے حالات کا تصور کریں گے، تو ان کی اہمیت معلوم ہوگی اور ان علماء حق کی جرأت اور جذبہ اتباعِ سُنت کا صحیح اندازہ ہوسکیگا۔ اگر یہ "چیزیں" اقامت دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کی دعوت سے الگ، صرف جزوی اصلاح کی حیثیت سے کی جائیں، تو یقیناً زیادہ اہمیت نہیں رکھتی مگر جب اعلائے کلمۃ اللہ کی دعوت کے ساتھ اقامت دین کی تحریک کے ضمن میں یہ اصلاحات بھی ہوتی جائیں، تو بڑی بات ہے۔

ان بزرگوں نے یہ سنتیں آج سے سو ڈیڑھ سو سال پہلے زندہ کی تھیں، اور ہمارا یہ حال ہے کہ آج بھی ہماری زندگی ہندوانہ رسوم و عادت سے پاک نہیں ہوسکی ہے۔ نکاح بیوگان کے علاوہ اور جن سُنتوں کا احیا مولانا ولایت علی رح کے دم قدم سے ہوا ان کا مختصر ذکر یہاں کیا جاتا ہے۔

(۱) مولوی اکبر علی فرزند مولوی الٰہی بخش صاحب جعفری (ف ۱۲۷۵ھ) کا ہیضہ میں انتقال ہوا تو ان کی بیوہ اہلیہ (بنت شاہ محمد حسین ف ۱۲۷۶ھ) کا غائبانہ نکاح اپنے منجھلے بھائی مولوی عنایت علی صاحب غازی سے کرکے نیک بی بی کو ان کے پاس بنگال بھیج دیا۔ جہاں وہ تبلیغ و ارشاد میں مصروف تھے۔ جیسے نجاشی (بادشاہ حبشہ) نے ام المومنین ام حبیبہ رض بنت ابوسفیان کا نکاح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرکے مدینہ منورہ بھیج دیا تھا۔

(اس خاندان میں یہ دوسرا نکاح ثانی تھا)

(۲) ایک شخص عبد الغنی نگرنہوی (جو زمرۂ مساکین سے تھے) کا عقد ایک بیوہ عورت سے تعلیم قرآن مہر قرار دے کر کر دیا۔

(۳) شرفائے بہار میں تعداد ازدواج معیوب تھا (اور آج بھی معیوب سمجھا جاتا ہے) اور زوجہ اول کے ہوتے ہوئے برابر کی جوڑ میں دوسرا نکاح کرنا تو گویا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے آپ نے اپنے خاندان میں ایسی دو شادیاں کرائیں اور ان میں تمام برادری اور عقیدت مندوں کو دعوت دے کر اتباع سنت کی ترغیب دی۔

(۴) آپ نے اپنے دو صاحبزادوں مولوی عبد اللہ اور مولوی ہدایت اللہ کا عقد نکاح اپنے چھوٹے بھائی مولانا فرحت حسین (ف ۱۲۷۲ھ) کی دو بڑی لڑکیوں کے ساتھ اس سادگی کے ساتھ انجام دیا کہ گھر کے موجودہ کپڑے (وہ بھی پیوند لگے ہوئے) پہنا دئے اور کوئی نیا کپڑا دولہا دلہن کے لئے تیار نہیں کرایا گیا۔ آپ نے یہ سنت بھی پانچ ہزار آدمیوں کے مجمع میں ادا کی۔

تنظیم و تبلیغ

تنظیم و تبلیغ کے سلسلے میں مندرجہ ذیل انتظامات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

(۱) شاہ محمد حسین صاحب (ف ۱۲۶۷ھ) خلیفہ حضرت سید صاحب کو مسجد ننمو ہیہ (صادق پور سے متصل شہر پٹنہ کا ایک محلہ ــــ یہ مسجد آج تک اسی خاندان کی نگرانی میں ہے) کا امام اور چھپرہ، مظفر پور، اور بہار کے

دوسرے اضلاع میں تلقین و ہدایت کے لئے مقرر کیا۔ (۲) اپنے منجھلے بھائی مولانا عنایت علی غازی (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء) کو اہل بنگال کے ارشاد و ہدایت کے لئے روانہ کیا۔ (۳) مولوی زین العابدین اور مولوی محمد عباس حیدرآبادی کو اڑیسہ اور صوبہ الہ آباد (موجودہ یو، پی کے مشرقی اضلاع) کی طرف عام تبلیغ کے لئے بھیجا۔ (۴) شہر پٹنہ، نواب فخر الدولہ کی مسجد میں دوسرا جمعہ قائم کیا۔ جہاں ہر جمعہ خود وعظ فرماتے۔ (۵) دینیات کی تعلیم کے لئے گھر پر ظہر اور عصر کے درمیان قرآن و حدیث کا درس دیتے۔ آپ کے بڑے بیٹے مولوی عبداللہ (ف ۱۳۲۰ھ) قاری ہوتے۔ دوسرے علماء تفسیر کی کتابیں ہاتھ میں لے کر بیٹھتے۔ علماء کے علاوہ عام مریدوں اور معتقدوں کی بھاری تعداد موجود ہوتی۔ قرآن مجید اور بلوغ المرام کا لفظی ترجمہ مردوں عورتوں اور بچوں کو پڑھواتے۔ (۶) شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۲۶۲ھ) سے شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ قرآن اور مولانا شہید رح کے رسائل منگوا کر پہلے مطبع حسینی، لکھنؤ میں طبع کرانے کی کوشش کی۔ مالک مطبع کے انکار پر، آپ نے یہ خدمت اپنے ایک رفیق و عقیدت مند مولوی بدیع الزماں صاحب بردوانی کے سپرد کی۔ جنھوں نے خاص طور پر ایک ٹائپ پریس خرید کر کے پہلی مرتبہ یہ کتابیں چھپوائیں۔

تبلیغ و تذکیر کے سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مولانا ولایت علی رح کا وعظ بہت پر اثر ہوتا۔ نواب صدیق حسن خاں (ف ۱۳۰۷ھ) نے ان کے قنوج آنے اور وعظ کی تاثیر کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، نواب صاحب رح

نے بلوغ المرام، کی شرح مولانا رحمہ ہی کی ترغیب سے لکھی تھی۔ (ابقاء المنن بالقاء المحن صد ۱۲۰)

حج و جہاد مولانا ولایت علی خود بھی بنگال تشریف لے گئے۔ شہروں اور دیہاتوں کا دورہ کیا۔ پھر اپنے مرشد و امیر کی اتباع میں آغاز جہاد سے پہلے حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے اور اسی سلسلے میں یمن اور دوسرے مقامات کی سیاحت کی۔ اور یمن کے نامور محدث و عالم قاضی محمد بن علی شوکانی (ف ۱۲۵۰ھ) سے حدیث کی سند حاصل کی۔ اور ان کی بعض[1] تصانیف ساتھ لائے۔ ان کی یہی ادا ہمارے مولانا سندھی رح کو ایک آنکھ نہیں بھاتی[2]۔ پتہ نہیں، بیرون ہند کے کسی عالم اور محدث سے استفادہ کیوں جرم قرار دیا جاتا ہے؟ اسلام تو اس قسم کی جغرافیائی حدبندی کا قائل نہیں۔

واپسی کے بعد اپنے سگے بھائی مولانا عنایت علی غازی رح کو سید ضامن شاہ (رئیس بالاکوٹ) کی طلب پر مقام جہاد کی طرف روانہ کیا۔ پھر خود بالاکوٹ پہنچے اور مجاہدین کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی[3]۔

اس وقت کشمیر کے راجہ گلاب سنگھ اور مجاہدین کے درمیان جنگ جاری تھی۔ راجہ کو شکست

---

(۱) الدر البہیۃ وہ نسخہ جو مولانا ولایت علی رح یمن سے ساتھ لائے تھے، اب تک صادق پور میں محفوظ ہے اور راقم الحروف کی نظر سے گذر چکا ہے۔ (۲) ملاحظہ ہو۔ مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر ص ۸۵ تا ۸۶

(۳) ایک نادر قلمی رسالے میں جو ذیقعدہ ۱۲۶۲ھ (۱۸۴۶ء) کو میدان جہاد سے بھیجا گیا ہے، مولانا ولایت علی رح کے موقع پر پہنچنے کا حال ان الفاظ میں درج ہے۔

"الحمد للہ علی احسانہ و کمال منہ و کرمہ کہ بتاریخ ہفدہم شہر شوال روز جمعہ ۱۲۶۲ھ جناب حضرت مولانا . . . مظہر کرامات لم یزلی . . . مرشدنا و امیرنا مولوی ولایت علی صاحب ادام اللہ برکاتہ وانوارہ . . . مع تمام اہل قافلہ وارد . . . ہوا سایہ . . . بخشی . . . فضل رب الارباب . . . اہل اسلام جلوہ افروز شد . . ."

ہوئی اور اس نے انگریزوں کے سائے میں جاکر پناہ لی۔ جو اُس وقت تک پنجاب پر قابض ہو چکے تھے۔ حکومت نے مولانا ولایت علی کو اطلاع دی کہ اب گلاب سنگھ پر حملہ کرنا خود انگریزی حکومت سے لڑائی مول لینا ہوگا۔ حکومت کی پالیسی یہ تھی کہ مجاہدین کے ذریعہ سکھوں کی طاقت توڑ دی جائے۔ اسی لئے شروع شروع مجاہدین سے روک ٹوک نہیں کی گئی۔ لیکن جب پنجاب کا اکثر حصہ انگریزوں کے قبضے میں آگیا تو مجاہدین حکومت کی نگاہوں میں کھٹکنے لگے۔ مجاہدین بھی خواہ مخواہ حکومت سے نبرد آزما ہونا خلاف مصلحت خیال کرتے تھے۔ کوئی فریق ایک دوسرے سے مطمئن نہیں تھا کہ گلاب سنگھ کے سلسلے میں حکومت نے دھمکی دی۔ ابھی گفت و شنید کا سلسلہ جاری تھا کہ جاسوسوں نے باشندوں کو بھڑکایا۔ اور انھوں نے مجاہدین کے ساتھ شرمناک غداری کی۔ ایک روز مقرر کرکے سارے علاقے میں ان غریب الوطن "مہاجروں" کا قتل عام کرادیا (ان واقعات کی مزید تفصیل مولانا عنایت علیؒ کے حالات میں آتی ہے) اور سید ضامن شاہ رئیس بالاکوٹ (جس کی درخواست پر مولانا عنایت علی کو بھیجا گیا تھا اور جس کی تمام املاک مجاہدین کی امداد و اعانت سے واپس مل چکی تھیں) نے بھی بے وفائی کا ثبوت دیا۔ اُس کے بعد مولانا نے صورت بنمبر کا رُخ کرنا چاہا۔ مگر سرکار انگریزی مزاحم ہوئی۔ ناچار حکومت کے پیدا کردہ حالات سے مجبور ہو کر اپنے بھائی اور خاص رفیقوں کے ساتھ اُنھوں نے وطن کی راہ لی۔ پھر بھی ان کے ساتھیوں کی ایک بڑی تعداد میر اولاد علی (ف ۱۲۸۵ھ) ساکن سورج گڈھا[1] ضلع مونگیر کی قیادت میں خفیہ طریقے پر ستھانہ پہنچ گئی۔ واپسی

---

(۱) اسی سورج گڈھا کو مشہور محدث میاں صاحب سید نذیر حسین صاحب رح (ف ۱۳۲۰ھ) کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

پر دونوں بھائیوں کو پٹنہ کے مجسٹریٹ کے روبرو حاضر ہو کر دو سال کے لئے مچلکہ دینا پڑا۔[1]

مولانا ولایت علیؒ دو سال تک وطن میں رہ کر تبلیغ و تذکیر کرتے رہے۔ مختلف علاقوں میں خاص مبلغ بھیجے۔ اپنے منجھلے بھائی مولانا عنایت علی غازیؒ کو پھر بنگال بھیجا۔ اور تمام مشاغل اس طرح جاری کر دئے کہ عام طور پر یہ خیال کیا جانے لگا کہ اب مولانا سرحد کا رُخ نہیں کریں گے۔ حکومت بھی مطمئن ہو گئی۔ کہ پورے دو سال قیام کے بعد یک بیک آپ نے چند مخلصوں کے ساتھ خفیہ صوات بنیر کی راہ لی۔ پورب اور بنگال کے دیہاتوں میں ان کے مبلغ موجود تھے، جو لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیتے اور مجاہدین کے مصارف کے لئے مال جمع کرتے۔ اور اللہ تعالےٰ انھیں مختصر "تبرعات" میں بڑی برکت دیتا۔

تین چار برس وہاں قیام رہا۔ یہ پوری مدت جہاد کی تیاریوں میں گذری مگر ابھی قتال و جدال کا سلسلہ شروع نہیں ہونے پایا تھا کہ رحمت الٰہی نے یاد کیا۔ سرحد کی زمین پسند آئی اور وہیں رہ گئے۔ مولانا ولایت علی کا انتقال سید صاحبؒ کی شہادت کے ۲۲ سال بعد اور ہنگامہ ۵۷ء (۱۲۷۳ھ) سے چار پانچ سال پہلے محرم ۱۲۶۹ھ (اکتوبر ۱۸۵۲ء) میں ہوا۔ اللہ تعالےٰ اس مہاجر و مرابط کی تربت پر اپنے انوار رحمت کی بارش فرمائے۔ آمین۔

---

(۱) اس مچلکہ کی تاریخ ۲۳ جولائی ۱۸۴۶ء سرکاری کاغذات میں ملتی ہے۔ پٹنہ کے مشہور فرم امیر خان حشمداد خاں کے شریک، حشمداد خاں اور لاور خاں کی ذاتی ضمانت تھی جس کی پاداش میں یہ لوگ بھی بعد کو مصیبتوں کا نشانہ بنے اور ان کا فرم تباہ کر دیا گیا۔ (۱۸۶۴ء) ان کے ابتلاء کا ذکر آگے آتا ہے۔

مولانا عنایت علی غازیؒ

مولانا ولایت علی صاحبؒ کے بعد اُن کے منجھلے بھائی مولانا عنایت علی غازیؒ مجاہدین کے امیر تسلیم کئے گئے (۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء) یوں تو یہ شروع سے آخر تک اپنے بھائی کے ساتھ اور ان کے تمام کاموں میں دست و بازو بنے رہے۔ مگر ان کا مزاج اور طبیعت کا رنگ جدا تھا۔ ان پر تیزی اور شجاعت غالب تھی۔ سید صاحبؒ سے بیعت (۱۲۳۹ھ) کے بعد، ایک منٹ کے لئے بھی کبھی آرام نہیں کیا۔ پہلے اپنے امیر و مرشد حضرت سید شہیدؒ کے احکام کے مطابق تبلیغ و جہاد میں مصروف رہتے۔ امیرؒ کی شہادت کے بعد اپنے بڑے بھائی مولانا ولایت علیؒ کے مشوروں اور ہدایت کے مطابق اعلاء کلمۃ اللہ کی خدمت انجام دیتے رہے۔

تبلیغ

اپنے شیخؒ کے ساتھ یہ بھی میدان جہاد میں شریک تھے کہ انھیں مولانا شہیدؒ دہلوی کے مشورے سے نواح دہلی کی طرف ان غلط فہمیوں کے سدباب کے لئے روانہ کیا گیا، جو بعض مدعیان علم نے مجاہدین کے متعلق ان اطراف میں پھیلا رکھی تھیں(۱)۔ اسی دوران میں بالاکوٹ کا دردناک واقعہ پیش آیا۔ اور آپ وطن لوٹ آئے۔ جب مولانا ولایت علیؒ نے دکن سے واپس آکر جماعت کی از سر نو تنظیم شروع کی۔ تو آپ کو بنگال کی طرف روانہ کیا، جہاں آپ نے پہلی بار سات برس مسلسل نہایت جانفشانی اور بردباری

---

(۱) تفصیل کے لئے = سیرت سید احمد شہید۔ طبع دوم ص ۱۹۲-۱۹۰

کے ساتھ گاؤں گاؤں کا دورہ کیا۔ اور یہ انہیں "دوروں" کا اثر تھا کہ بنگال کی سرزمین تیس چالیس برس تک مجاہدین سرحد کے لئے آدمی اور روپے فراہم کرتی رہی۔

پہلا دورہ سات برس تک جاری رہا۔ پھر آپ سید ضامن شاہ رئیس بالاکوٹ کی مدد کے لئے میدان جہاد پہنچ گئے، جہاں آپ ایک مدت تک راجہ گلاب سنگھ والی کشمیر سے برسرپیکار رہے، پھر جب "بڑے حضرت" (مولانا ولایت علی صاحب) خود پہنچ گئے، تو آپ ان کی ماتحتی میں ڈیڑھ برس اور مصروف قتال رہے۔ یہ معرکہ آرائیاں یارآور ہو رہی تھیں کہ گلاب سنگھ نے سرکار انگریزی کی پناہ لی۔ اور یہ اپنے بھائی کے ساتھ پٹنہ بھیج دئے گئے[1] (۱۸۴۷ء) مگر اس مرد غازی کو چین کہاں؟ مولانا عنایت علی رح کو بجا طور پر غازی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ سید صاحب رح سے بیعت کے بعد (۱۲۳۹ھ) اپنے آخری لمحہ حیات (۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء) تک انہیں ایک دن بھی اہل دنیا کی طرح آرام کی نیند نصیب نہیں ہوئی۔ بالاکوٹ سے لوٹے، تو پھر بنگال کا رخ کیا۔ اور پھر تین چار سال تک مسلسل اس خطے میں جہاد و احیائے سنت کی تبلیغ کرتے رہے۔ یہ آپ کا دوسرا

(۱) اوپر مولانا ولایت علی کے حالات میں بیان ہوچکا ہے کہ یہ دونوں بھائی ۱۸۴۷ء میں سرکار انگریزی کے پیدا کردہ حالات کے باعث وطن واپس چلے آئے۔ سرکاری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سکھوں کے بعد (DOOB.) کے مقام پر مجاہدین اور انگریزی فوج کے درمیان بھی لڑائی ہوئی، جس میں مجاہدین کو شکست ہوئی اور یہ دونوں بھائی گرفتار کر لئے گئے اور حراست میں پٹنہ بھیج دئے گئے، انگریزی فوج جنرل (Abbot.) کی قیادت میں تھی (Wahabee. Trial. ص)

تبلیغی دورہ تھا۔ اس کے بعد جب تیسری مرتبہ سرحد کو گئے، (۱۸۵۱ء) تو وہیں کے ہو رہے، جس کا تذکرہ آگے آتا ہے۔

تبلیغی دوروں میں ان کا مستقر صوبہ بنگال کے ضلع جسور (Jessore.) میں حاکم پور(۱) نامی ایک گاؤں ہوتا۔ جب سفر کی صعوبتوں سے خستہ ہو جاتے، تو وہیں حاجی مفید الدین صاحب کے گھر پر آرام فرماتے۔ آپ کی دوسری اہلیہ (جنھیں غائبانہ ایجاب و قبول کرا کر آپ کے پاس بھیج دیا گیا تھا) وہیں رہتیں۔ مگر یہ وقفہ بھی بے عملی کا نہ ہوتا۔ بلکہ اس اثناء میں حاکم پور اور اس کے نواح کے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں آکر مستفیض ہوا کرتے۔

فصل خصومات

آپ کی تبلیغ کے سلسلے میں پنچایت اور فصل خصومات کا نظم خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ طاغوتی عدالتوں سے اجتناب کوئی نئی چیز نہیں۔ اہل حق ہمیشہ سے "تحاکم الی الطاغوت" سے بچتے رہے ہیں۔ آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ سید شہید رح کے متبعین بھی اس پر خاص زور دیتے تھے۔ اچھا ہو گا کہ آپ یہ تذکرہ خود مولانا عبدالرحیم صادق پوری (مولود ۱۲۵۲ھ، متہم مقدمہ سازش انبالہ ۱۸۶۴ء/۱۲۸۰ھ۔ ف در عظیم آباد ۱۳۴۱ھ) مولف تذکرہ صادقہ کی زبانی سنیں۔

"لوگوں کے اصلاح حال اور فیصلہ طاغوتی سے بچنے کے لئے ضرورت تھی کہ جہاں لوگوں کو فساد و فتن سے روکا جائے، وہاں "ان میں" عدل و تصفیہ کی

---

(۱) پٹنہ کے مجسٹریٹ (T. E. Revenshaw.) میمورنڈم (۱۸۶۵ء) میں (جس سے Hunter نے فائدہ اٹھایا ہے) حاکم پور کا نام ضلع "برست" (بنگال) میں آتا ہے۔

روح بھی پھونکی جائے۔ اور ان کے ناگزیر تنازع اور پیچیدہ مسائل کے محاکمہ اور فیصل کے لئے کوئی صورت" قائم کردی جائے اور ساتھ ہی ساتھ شاورہم فی الامر کی سُنت بھی ادا ہو سکے۔ چنانچہ جناب ہر ایک بستی میں جہاں "مسجد موجود ہوتی وہاں امام مقرر کرتے (اور جہاں مسجد نہ ہوتی وہاں مسجد بھی تعمیر کرا دیتے) اور فصل خصومات کا بار اسی کے" شانہ پر رکھتے۔ چار پانچ کوس کے حلقے میں کسی بڑی مسجد کو جامع مسجد قرار دے کر ایک تعلیم یافتہ متدین امام کے سپرد کر دیتے اور امام" بمنزلہ سیشن جج متصور ہوتا۔ اگر اس پر بھی لوگوں کی تسکین خاطر نہ ہوتی تو متخاصمین کی اپیل پر بذاتِ خود ان مقامات پر پہنچ کر فصل تنازع فرماتے اور ملفوظات کیمیا اثر سے تالیف قلوب فرماتے۔ (تذکرہ صادقہ۔ صـ۱۳۴)

جہاد مولانا عنایت علی غازیؒ کی صحیح جگہ میدان جنگ تھی۔ اور یہیں ان کے حقیقی جوہر کھلتے تھے ان کے جہاد کے چار دور ہیں۔

(۱) پہلا دور سید صاحبؒ کی معیت میں جب تک وہ وہاں سے نواح دہلی کو نہ بھیج دئے گئے۔

(۲) دوسرا دور مشہد بالاکوٹ کے سات آٹھ برس بعد شروع ہوتا ہے، جب وہ سید ضامن شاہ کی درخواست پر اپنے بڑے بھائی مولانا ولایت علیؒ کے حکم سے بالاکوٹ گئے۔ یہ جنگ ساڑھے چار برس جاری رہی۔ یوں تو اپنے جارحانہ حملوں سے آپ نے شروع ہی میں ضامن شاہ کے قلعے، کُل علاقے اور مورچے واپس دلا دئے تھے۔ مگر گلاب سنگھ کے مکر و فریب اور خوانین کی غداری نے مجاہدین کو تتر بتر کر دیا۔ اور وہ سرکار انگریزی کی شرطوں کے موافق

وطن لوٹنے پر مجبور ہوئے۔

مولانا ولایت علیؒ کے پہنچنے سے پہلے، مولانا عنایت علیؒ نے راجہ گلاب سنگھ کو جو شکستیں دیں۔ اور سید ضامن شاہ، رئیس بالاکوٹ کے جو مقبوضات واپس لئے، اُن کے متعلق مولوی عبدالرحیم صاحب کا مختصر اور محتاط بیان یہ ہے۔

"بڑے بڑے معرکے سر کئے اور ظفریاب ہوئے جن سے "کفار و منافقین کے دل ہار گئے۔ سکھوں سے متعدد مورچے" "قلعے، علاقہ جات چھین لئے، خوانین غدار اور سرکش کو بھی "مطیع و فرماں بردار کر دیئے۔ تمام امن و طمانیت بخش کر "کلمہ توحید کی منادی کر دی اور حدود و قصاص" اسلامی جاری کر دیئے"[1]۔۔۔

اس کی تفصیل اُس قلمی رسالہ یا "اعلام نامہ" (مورخہ ذی قعدہ ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶ء) میں مذکور ہیں جو میدان جہاد سے ہندوستانی مجاہدین نے اپنے اہل ملت و وطن کے نام ارسال کیا تھا۔

(۳) جب مولانا ولایت علی صاحبؒ مستقل طور پر سرحد کو ہجرت کر گئے۔ اور تقریباً تین چار[2] برس وہاں قیام کے بعد ان کا انتقال ہو گیا (ماہ محرم ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء)

---

(۱) تذکرہ صادقہ ص ۱۳۵ — "مورچے" پر یہ حاشیہ بھی درج ہے۔
"ملک چھچھ و پکھلی مع قلعہ جات ڈب مظفرآباد — کُل اٹھارہ مورچے"۔

(۲) تاریخوں میں بڑا اختلاف ہے۔ مولوی عبدالرحیم صاحب (ف ۱۳۴۱ھ) نے انڈمان سے واپسی کے بعد تذکرہ صادقہ، لکھی، اور اس حال میں کہ ان پر سرکار کی نظر عنایت قائم تھی۔ بیچاروں نے بہت بچ بچ کر لکھا ہے سرکاری رپورٹوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخری مرتبہ سرحد پر مولانا ولایت علیؒ صرف ایک سال زندہ رہے۔ (Wahabi Trial ص ۱۵۶ و ۱۰۱) تذکرہ صادقہ میں (ص ۱۳۸) "تین چار برس قیام کے بعد" وفات کا ذکر آتا ہے۔ بہرحال سنہ وفات میں اختلاف نہیں۔ راونشا کا ایک بیان یہ ہے کہ دوسری مرتبہ ۲۱ مئی ۱۸۵۱ء (رجب ۱۲۶۷ھ) کو ولایت علیؒ سرحد پر پائے گئے (کلکتہ گزٹ ص ۱۶۱) اس طرح پر گویا ڈیڑھ سال کے بعد وفات ہوئی۔

یہ زمانہ جہاد کی تیاریوں میں گذرا۔ اور کوئی خاص جنگ نہ ہوسکی۔ مولانا عنایت علیؒ مزاج کے تیز تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ کچھ ہونا چاہئیے۔ جہانداد خاں والی انب سے اس کی شرارت کے باعث آپ نے چھیڑ چھاڑ کرنا چاہی، مگر مولانا ولایت علیؒ نے بعض مصالح کے باعث اس کو منظور نہیں کیا۔ یہ بات گرم مزاج غازی رح کو ناگوار معلوم ہوئی اور وہ تین چار سو آدمیوں کے ساتھ، بڑے بھائی سے علیحدہ ہوکر منگل تھانہ سید عباس کے پاس جارہے، اور ان کی املاک و فوج کی نہایت خلوص اور ہوشیاری کے ساتھ نگہداشت کی۔

(۴) مولانا ولایت علی رح کے انتقال کے بعد آپ منگل تھانہ سے ستھانہ (مجاہدین کا مستقر) واپس آئے اور تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت امارت کی (۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲) اور جب تک اکبر شاہ کے بیٹوں نے بے وفائی نہیں برتی آپ وہیں رہے۔ پھر مجبوری کی حالت میں مجاہدین کے ساتھ منگل تھانہ واپس آگئے اور باقی عمر وہیں عسرت اور فقر و فاقہ کی حالت میں گذاردی۔

اس آخری دور امارت میں جہانداد خاں والی انب سے ایک جھڑپ ہوئی اور پھر انگریزی فوج نے بھی ان پر ایک سخت حملہ کیا۔ اور آخر بڑی بیکسی کے عالم میں آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کی (۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸)

غداروں پر اعتماد

مجاہدین کے ابتلاء مصائب کی تفصیل سے پیشتر یہ عرض کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اہل سرحد اور خوانین کی غداری اور بے وفائی کے باعث ان مجاہدان راہ حق کو بار بار سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ خود حضرت سید شہید رح کو سرداران

پشاور کی غداری نے جس قدر اذیت پہنچائی، وہ سب کو معلوم ہے، مگر یہ غداری اور خیانت ختم نہیں ہوئی، اور حیرت یہ ہے کہ یہ مجاہدین بھی برابر ان غداروں پر اعتماد کرتے رہے۔ حالانکہ مومن کی علامت یہ بتلائی گئی ہے کہ وہ ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہندوستانی مجاہدین سید صاحب رحؒ کی غیبوبت اور دوبارہ ظہور کے توقع پر ان غداریوں کو برداشت کرتے رہے۔ یہ سب سے بڑی غلطی تھی، جو ان "مجاہدین" نے اس سلسلے میں روا رکھی۔ بہرحال ہم اس پر آگے چل کر مزید روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ سردست "خوانین کی غداری" کے متعلق ایک باخبر اور "مبتلائے الم" ہستی کے تاثرات نذر ناظرین ہیں:۔

"اُس زمانے میں پنجاب و نواح پنجاب متعدد خوانین کے زیر حکومت تھا۔ گویا ہر ایک تعلقدار آزاد بادشاہ تھا۔ یہ آپس میں تیغ آزمائی کرتے۔ حرکات شنیعہ کا بے غیرتی کے ساتھ ارتکاب کرتے۔ اخلاق و حمیت سے عریاں تھے۔ غداری، خود غرضی اور نفاق ان کا طرۂ امتیاز تھا۔ حلاوت ایمانی سے آشنا تک نہ تھے۔ اس حالت زبوں سے سکھوں کو انھیں ستانے کی جرأت ہوتی۔ اور ان کے آپس میں خوب جھگڑے لڑا دیتے۔ جب وہ اپنی قوت آزمائی سے عاجز آجاتے تو حالت اضطراری میں برکات مجاہدین یاد آجاتیں اور نہایت لجاجت کے ساتھ ایک بے نوا کی طرح اعانت و نصرت کی درخواست کرتے۔ اور پھر اثناء معرکہ میں یا خیر انجام پر دشمنوں کے تملق سے شرمناک بدعہدی کرتے۔"

یہ تاثرات ہیں، مولوی عبدالرحیم صاحب صادق پوری رحؒ[1] ابن مولانا فرحت حسین صاحب

(۱) مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوری (ف سنہ ۱۳۴۱ھ) کے متعلق والد ماجد مولانا حکیم محمد عبدالشکور صاحب مدظلہ (مولود سنہ ۱۲۹۱ھ) ایک مرتبہ فرماتے تھے کہ "ان کو دیکھ کر صحابہ کرام رضؓ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی"۔

(ف ۱۲۷۴ھ) کے جو اپنے دونوں چچا مولانا ولایت علی رح اور مولانا عنایت علی رح کی "سرگرمیوں" میں کسی ہی سے شریک تھے۔

چھیڑ چھاڑ ۱۸۵۲ تا ۱۸۵۸ء

یہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں کہ، مولانا عنایت علی رح کی جہادی سرگرمیوں کا چوتھا دور مولانا ولایت علی رح کے انتقال کے بعد شروع ہوتا ہے (محرم ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲)

یہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ وہ انگریزوں کے حلیف والی انب پر حملہ کرنا چاہتے تھے، مگر مولانا ولایت علی رح نے اجازت نہ دی۔ زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لیتے ہی انھوں نے سب سے پہلے اپنی یہ آرزو پوری کی:۔

"اسی سال (۱۸۵۲ء) ان لوگوں نے ہمارے حلیف، سردار ریاست انب پر حملہ کیا، جس سے برطانوی حکومت ایک فوج بھیجنے پر مجبور ہوئی۔

"میں یہاں ان زیادتیوں، توہین اور قتل کے واقعات کی تفصیل نہیں کرنا چاہتا، جو ۱۸۵۸ء کے جنگ سرحد (Frontier War) کا باعث ہوئیں(۱)۔

اسی واقعے کے متعلق، مجاہدین کے سب سے بڑے کرم فرما اور ہنٹر صاحب کے پیرو مرشد جناب راونشا صاحب (T. E. Revenshaw,) کلکٹر پٹنہ (۱۸۶۵ء) اپنے میمورنڈم، میں تحریر فرماتے ہیں۔

"۱۸۵۲ء کے رکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مذہبی دیوانوں (Fanatics.) نے ہمارے حلیف۔جہاں دادخاں (والی انب) پر حملہ کیا اور آگے چل کر ۱۸۵۸ء

(1) Our Indian Musalmans, W. W. Hunter, ص ۲۳)

یں ضروری ہوگیا کہ سر سڈنی کاٹن کی سرکردگی میں ان کے خلاف ایک مہم بھیجی جائے[1]......"

افسوس کہ اس رسالے میں ان "زیادتیوں" اور اس "مہم" کی تفصیل سے ہم بھی قاصر ہیں، بہرحال اتنا ذکر کر دینا کافی ہوگا، کہ ۱۸۵۲ء کے حملہ انب کے بعد ۱۸۵۷ء تک مولانا عنایت علی اور سرکار برطانیہ کی فوج کے درمیان کوئی خاص کشمکش نہیں ہوئی، جیسا کہ "مجاہدین" کے خاص "کرم فرما" ہنٹر صاحب بھی رقم طراز ہیں۔

"۱۸۵۲ء اور ۱۸۵۷ء کے درمیان میں ستھانہ کی نوآبادی (Colony) گو سرحد کے طول و عرض میں (Fanaticism.) "(جہاد) کی روح بھڑکاتی رہی، پھر بھی ہماری فوج سے راست ٹکر لینے سے بچ کر انھوں نے عقلمندی کا ثبوت دیا[2]"

آخری ابتلاء ۱۸۵۷ - ۱۸۵۸

غالباً اوپر کے بیانات سے یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ مجاہدین کے ہم خیال و ہم مشرب اصحاب بہار و بنگال میں خفیہ طور پر چندے کر کے سرحد پر بھیجتے تھے اور بیرون ہند کی امارت کی تائید کے لئے اندرون ہند میں بھی ان کا خاص نظام تھا (جس کی ضروری تفصیل آگے آئے گی) یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور سارا "کام" حسن و خوبی کے ساتھ چلتا رہا کہ اسی دوران میں ۱۸۵۷ء کا پر آشوب حادثہ درپیش آیا اور گو مجاہدین

---

(۱) (T.E. Revenshaw.) کا میمورنڈم مندرجہ کلکتہ گزٹ (ضمیمہ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء)
(۲)

اور ان کے معاونین ایک دینی نظام سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس قومی لڑائی میں غیر جانبدار رہے[1]، پھر بھی پٹنہ کے کمشنر مسٹر ٹیلر (W. Taylor.) نے مولانا احمد اللہ صادق پوری (ملزم مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء وفات در انڈمان ۲۸ رذی الحجہ ۱۲۹۸ھ) وغیرہ کو بہت دق کیا۔ (۱۸۵۷ء)، مگر اس افراتفری اور ہڑبونگ میں سرحد سے مواصلات کا سلسلہ بالکل منقطع ہوگیا۔ اور مجاہدین سرحد ایسی آزمائش سے دوچار ہوئے کہ الامان والحفیظ۔ مولانا عبدالرحیم صادق پوری (جو مجاہدین کے لئے روپے اور سامان فراہم کرنے والوں کے سرگرم شریک اور معاون تھے) لکھتے ہیں (تذکرہ صادقہ۔ ص۱۳۵)

"۱۸۵۷ء کے غدر کی وجہ سے راہ پرخطر تھی۔ شہر سے باہر نکلنا دشوار تھا۔ املاک تہلکہ میں تھے۔ جانوں کو امن نہ تھا۔ پھر کسی کو ہوش تھا اور کیوں کر ممکن تھا کہ سرحد کے پار فاقہ کشوں کے لئے کوئی سامان کیا جا سکتا۔ مسلسل

---

(۱) اسٹاڈرڈ (Stoddard.) امرکی اور بعضے دوسرے یورپی مورخ خیال کرتے ہیں کہ ۵۷ء کی ہندوستان کی قومی لڑائی بھی "وہابیوں" کی دعوت کا نتیجہ تھی (حاضر العالم الاسلامی ج ۱ ص۲۶۳) لیکن یہ خیال صحیح نہیں۔ سید صاحب رح کے متبعین اس قومی جنگ سے بالکل الگ رہے۔ ان کا اپنا الگ نظام تھا۔ اور وہ اس کے تابع تھے ۔۔۔ ۵۷ء کی قومی جنگ ایسٹ انڈیا کمپنی کی سیاست کی پیداوار تھی۔ سر جان لارنس نے بہت صحیح کہا ہے کہ "اس بغاوت کی پیدائش فوج ہی سے ہوئی۔ کسی دوسری سازش کا اس میں مطلق دخل نہیں تھا" (ص۵۸۲ History of Punjab.)

فاقہ کشی نے حال تباہ کر دی۔ درختوں کی کونپلوں اور پتیوں پر اصحاب صفہ کی سنت ادا ہونے لگی۔ چند ماہ مسلسل غلہ پر نظر تک نہ پڑی۔ اجابتیں خون آلود ہونے لگیں۔ آپ کے پاس جو کچھ نقود تھے۔ آپ مہاجرین و انصار پر صرف کر چکے تھے۔ اور وہ تھا ہی کیا ؟ اونٹ کے منہ میں زیرہ۔ اب اُدھر ساتھیوں کی بدگمانیاں(۱) اور طعنے شروع ہو گئے۔ زندگی تلخ تھی۔ یہ وہ وقت تھا کہ اگلی امم مضطر ہو کر "متیٰ نصر اللہ پکار اٹھی تھی"

یہی لیل و نہار تھے کہ سرکار انگریزی نے ۱۸۵۸ء میں پشاور سے جنرل کاٹن (Cotton) کی سرکردگی میں چھ ہزار فوج کے ساتھ مجاہدین پر حملہ کر دیا۔ مرے کو مارے شاہ مدار، شاید ایسے ہی موقع پر کہا گیا ہو۔ مجاہدین کی اچھی خاصی تعداد مردانہ وار دادِ شجاعت دے کر شہید ہوئی۔ کچھ پہاڑوں میں چھپ گئے۔ خود مولانا عنایت علی رح آخر تک میدان سے نہ ہٹے۔ آخر مسلسل فاقہ کشی کی وجہ سے مختلف امراض کا شکار ہو کر ۱۲۷۴ھ کے اخیر میں (۱۸۵۸ء) زبان حال سے

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی ؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کہتے ہوئے دار آخرت کو چل بسے، حق مغفرت کرے، عجب آزاد مرد تھا،

اللھم اغفرلہ وارحمہ رحمۃ الابرار الصالحین المجاھدین من عبادک

یہ تو اپنوں کی "محتاط" روایت تھی۔ اس کے مقابلے میں "سرکاری" بیان بھی ملاحظہ ہو۔

---

(۱) مولانا عبید اللہ سندھی رح اس "ابتلاء" اور "طعن و بدگمانی" کو بھی "عقیدہ غیبوبت" کا شاخسانہ بتاتے ہیں۔ یہ حد درجہ زیادتی اور ان پاکبازان راہ حق پر ناروا اتہام ہے۔ ملاحظہ ہو، مولانا سندھی اور ان کے افکار پر ایک نظر ص ۸۵۔

"..... مبارک شاہ [ولد سید اکبر شاہ رئیس صوات] نے عنایت علی کے ساتھ مردان کے قلعے پر قبضہ کرنے کا پلان تیار کیا۔ لیکن اُن کا منصوبہ کامیاب نہ ہوا۔ تب عنایت علی نارنجی (Narinji) چلا آیا اور یوسف زئی قبائل کو ورغلانے کی کوشش کی۔ اس حرکت کی پاداش میں نارنجی والوں کی سرکوبی کے لئے پشاور سے جنرل کاٹن کی سرکردگی میں ایک انگریزی دستہ (Force.) بھیجا گیا۔ اور عنایت علی اور اس کی پارٹی کو پہاڑیوں میں بھگا دیا گیا(۱)......"

مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، انگریزی فوجی دستے کے افسر لفٹنٹ جنرل سر سڈنی کاٹن (Sydney. Cotton. K.C.B.) کی مزید تفصیل (Nine Years on the North West Frontier) مطبوعہ لنڈن ۱۸۶۸ء Of India. (۱۸۵۴ - ۱۸۶۳)(۱۸۶۸)

مختلف "امراء"

مولانا ولایت علی (ف ۱۲۶۹ھ) اور مولانا عنایت علی (ف ۱۲۷۴ھ) کے بعد بیرون ہند کی سرگرمیوں میں مولانا ولایت علی رح کے بڑے صاحبزادے مولانا عبد اللہ صادق پوری (مولود ۱۲۴۶ھ) کا نام زیادہ نمایاں طور پر آتا ہے، یہ کمسنی ہی سے اپنے والد ماجد رح کے ساتھ جہاد و قتال میں مصروف رہے۔ لیکن ان بزرگوں کے علاوہ بہتر سے اور بھی ہندوستانی مہاجر تھے جنھوں نے سرحدی علاقے میں جہاد کا علم بلند

---

(۱) A General Report on the Yusufzais by H. W. Bellew. — LAHORE. 1864.

رکھنے کی کوشش کی۔ واقعات کی ترتیب اور تسلسل کا تقاضا ہے کہ مولانا عبداللہ کے دور کے "حوادث" کی تفصیل سے پہلے ان سالکان راہ نبوت کا بھی مختصر ذکر کردیا جائے۔

شہید بالاکوٹ کے بعد ہی ایک جماعت تختہ بند (بنیر) میں "مرابط" ہوگئی تھی۔ پہلے یہ جماعت مولوی محمد قاسم صاحب کی سرکردگی میں تھی۔ اس کے بعد انھوں نے مولوی نصیرالدین دہلوی (داماد شاہ محمد اسحاق صاحب رح ف ۱۲۶۲ھ) کو اپنا امیر منتخب کیا۔ اوکنلے (. O'Kinely) کے بیان[1] کے مطابق مولوی نصیرالدین اس وقت دہلی میں تھے۔ اور یہ ٹونک سے مزید رنگروٹ اور اسلحہ لے کر سندھ ہوتے ہوئے سرحد پار پہنچے۔ اس کے بعد ستھانہ کے سیدوں (جو سید شہید رح کے مرید اور عقیدت مند تھے) کی دعوت پر یہ لوگ (جن کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہوگی) ستھانہ منتقل ہوگئے۔ یہ لوگ کئی سال تک وہیں پڑے رہے۔ غالباً ہندوستان سے امدادی رقمیں آنا شروع ہوگئی تھیں۔

---

(۱) O'Kinely صاحب بھی مجاہدین کے کرم فرما ہیں ۱۸۶۴ء کے مقدمہ سازش (پٹنہ) میں یہ سرکار کی طرف سے پیروکار تھے۔ (T. E. Revenshaw) اور (W. W. Hunter) کی بہ نسبت یہ جماعت کے افکار و عقائد سے زیادہ واقف ہے گو اس کے بیانات بھی غلطیوں سے خالی نہیں — یہ لکھتا ہے کہ شہید بالاکوٹ کے بعد مولوی قاسم کی سرکردگی میں (جو اس وقت مظفرآباد میں تھے) بچے کھچے لوگ ستھانہ پہونچے۔ مولوی نصیرالدین بعد کو دہلی سے سندھ ہوکر پہنچے۔ اور دوست محمد والی کابل کے ساتھ غزنین کی جنگ میں یہ لوگ تتر بتر ہوگئے تو پھر مولوی قاسم کی سرکردگی میں مجاہدین کی ایک جماعت پہاڑیوں کو لوٹ گئی مگر دوسرے بیانات سے اس کی تائید نہیں ہوتی تفصیل کے لئے۔ اوکنلی کا مقالہ (The Wahabbie. In India.) مندرجہ کلکتہ ریویو، ۱۸۷۰ء

اور مولانا ولایت علی رح، امیر جماعت سے ان کا ربط (Contact.) قائم ہوگیا تھا۔

ایک انگریز مصنف کے بیان کے مطابق یہ لوگ مولوی نصیر الدین کی قیادت میں تین برس تک خاموش رہے کہ مجاہدین کے ایک قافلہ کو منارہ (Munarah.) نامی گاؤں والوں نے لوٹ لیا، تو یہ لوگ حرکت میں آئے اور اس گاؤں پر ناگہانی تاخت کی اور کافی مال واسباب چھین لائے۔ جانیں بھی تلف ہوئیں۔ اس سے یوسف زئی والے (جو مجاہدین کے ہمدرد تھے) دشمن ہوگئے اور ان غریبوں پر حملہ کردیا۔ بیچاروں کو سخت نقصان اٹھانا پڑا اور ان کی تعداد صرف ستر اسّی کے لگ بھگ رہ گئی۔ مولوی نصیر الدین شہید ہوئے۔(1)

اس واقعے کے بعد مجاہدین مہابن کی مختلف بستیوں سے سمٹ کر پھر ستھانہ میں میر اولاد علی سورج گڈھی مونگیری کی قیادت میں مجتمع ہوئے۔ یہی وہ زمانہ ہے۔ جب سید ضامن شاہ رئیس بالاکوٹ راجہ گلاب سنگھ والی کشمیر سے برسر پیکار تھا اور اس کی درخواست پر مولانا عنایت علی صاحب غازیؒ اور میر مقصود علی ایک جماعت کے ساتھ بہار سے تشریف لائے۔ یہ تازہ وارد جماعت

---

(1) صفحہ ۹۵-۹۴ A.General Report on Yusufzais.

مولوی نصیر الدین کی شہادت اور اس واقعے کا ذکر اب تک اور کسی سرکاری یا غیر سرکاری کتاب یا رپورٹ میں نظر سے نہیں گذرا۔ مقدمات کی کارروائیوں اور دوسرے کاغذات میں مولوی نصیر الدین کا ذکر آتا ہے۔ مگر پھر وہ درمیان سے حذف ہوجاتے ہیں۔ اور میر اولاد علی سرگروہ مجاہدین کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو۔ کتاب ۱۸۶۴ء میں چھپی ہے۔ اور مصنف فوج میں ڈاکٹر تھا۔

تین سو افراد پر مشتمل ہوگی۔ یہ لوگ پانچ پانچ اور چھ چھ کی مختلف ٹولیوں میں پکھلی (ضلع ہزارہ) تک پہنچے، جہاں میر اولاد علی کی مختصر جماعت بھی ستھانہ سے آکر مل گئی۔ اور مولوی عنایت علی صاحب رح کی سرکردگی میں جدوجہد ہوتی رہی۔ مولانا ولایت علی رح جب موقع جہاد پر پہنچ گئے، تو پھر وہی امیر المجاہد بھی ہوگئے (۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶) تاآنکہ گلاب سنگھ نے انگریزوں سے صلح کرلی۔ مجاہدین کا قتل عام ہوا۔ اور ان کی پوری فوج انگریزوں کی حراست میں آگئی۔ روہیلے برخواست کردئے گئے۔ مولانا ولایت علی رح اور مولانا عنایت علی رح حراست میں پٹنہ بھیج دئے گئے۔ لیکن مجاہدین کا ایک جتھا میر اولاد علی کی قیادت میں پھر ستھانہ پہنچ گیا۔

یہ جتھا ستھانہ میں کچھ عرصے تک خاموش رہا، تاآنکہ مولانا ولایت علی رح دوبارہ سرحد پہنچ گئے۔ اور میر اولاد علی نے پھر قیادت ان کے سپرد کردی۔ یہ میر اولاد علی کی قیادت کا آخری دور تھا۔ اس کے بعد مولانا ولایت علی رح اور ان کی وفات (۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲) کے بعد ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ تک مولانا عنایت علی رح امیر المجاہد رہے۔ غالباً میر اولاد علی کا اسی دوران میں انتقال ہوگیا تقریباً (۱۲۷۱ھ / ۱۸۵۵) جیسا کہ مقدمہ سازش، پٹنہ ۱۸۷۱ء کے بعض گواہوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے (وہابی ٹرائل ص ۱۰۱)۔

مولانا عنایت علی رح (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸) کے بعد مولوی نور اللہ امیر ہوئے۔ ان کے دور میں ایک آدھ جھڑپ ہوئی۔ شاہ نورلہی میں مقابلہ ہوا (۱۸۵۸ء) مجاہدین کے کماندار اکرام اللہ اور ان کی کافی تعداد شہید ہوئی۔ اور انگریزی

فوج نے مجاہدین کی تمام نوآبادیاں تباہ کردیں۔ ستھانہ اور منگل تھانہ کی نوآبادیاں اس طرح تباہ ہوگئیں، تو مولوی نور اللہ اور اُن کے ساتھیوں نے ستھانہ سے دس پندرہ کوس کے فاصلے پر ملکا میں اپنی نوآبادی قائم کی۔ اِسی دوران میں مولوی نور اللہ کا انتقال ہوگیا۔ اور میر مقصود علی(۱) جو وطن گئے ہوئے تھے، واپس آگئے (سنہ ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء)۔ اور اُنھوں نے "امیر الجہاد" کی حیثیت سے ازسرِنو مجاہدین کی تنظیم کی۔ تقریباً ڈیڑھ سال کی امارت کے بعد میر مقصود علی کا بھی انتقال ہوگیا (سنہ ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ء)۔ ان کے بعد مولانا ولایت علی صادق پوری (وفات سنہ ۱۲۶۹ھ) کے بڑے صاحبزادے مولانا عبد اللہ صادق پوری (مولود سنہ ۱۲۴۶ھ) جو اِس وقت تک گھربار چھوڑ کر سرحد پار پہنچ چکے تھے۔ امیر منتخب ہوئے۔

مولانا عبد اللہ صادق پوری

سنہ ۱۲۷۸ھ/۱۸۹۲ء — سنہ ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء

اوپر گذر چکا ہے کہ مولانا ولایت علیؒ فاجعہ بالاکوٹ سے چند سال پیشتر اپنے امیر و شیخ رح کے حکم سے تبلیغ وارشاد کے لئے دکن تشریف لے گئے تھے۔ اسی دوران میں انھوں نے حیدرآباد میں ایک شریف خاتون سے شادی کرلی تھی۔ آپ کے بڑے صاحبزادے

---

(۱) میر مقصود علی داناپور (پٹنہ) کے رہنے والے تھے۔ اور خاندان صادق پور سے ان کی قرابت بھی تھی۔ سنہ ۱۸۶۴ء کے مقدمہ سازش (پٹنہ) میں ان کے سگے بھائی الٰہی بخش کی شہادت سرکاری گواہ کی حیثیت سے درج ہے (وہابی ٹرائل۔ ص ۳۶-۳۲) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سنہ ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء سے کئی برس پہلے مولانا ولایت علی رح (وفات سنہ ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ء) کے اہل وعیال کو لے کر وطن واپس آگئے تھے۔ اور دو تین سال مشرقی ہند میں مصروف تبلیغ رہ کر ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے کچھ عرصہ بعد پھر لاپتہ ہوگئے۔ مختلف بیانات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ سنہ ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء تک "مستقر" پر پہنچ گئے تھے۔ ڈیڑھ دو سال کی امارت کے بعد ان کا انتقال ہوگیا (سنہ ۱۸۶۲/۱۲۷۸ء)

مولانا عبداللہ وہیں پیدا ہوئے (۱۲۴۶ھ)۔ ابتدائے طفولیت ہی سے یہ سفر و حضر میں اپنے والد ماجدرح کے ساتھ رہے۔ ابھی پندرہ سولہ برس کی عمر ہو گی کہ والد ماجدؒ کے ساتھ پکھلی اور بالاکوٹ میں جہاد و قتال میں عملی شرکت کی (۱۲۶۲ھ/۱۸۴۶)۔ پھر دوبارہ اپنے والد کے ساتھ صوات گئے اور وہاں چار پانچ برس قیام رہا۔

اس دوران میں فوجی نظم و بندوبست انھیں کے سپرد تھا۔ مولانا عنایت علیؒ کے دور امارت میں (۱۲۶۹ھ/۱۸۵۲ ـــ ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸) بھی دو تین سال وہاں رہے۔ پھر چچا کی تیز مزاجی کے باعث ان سے موافقت نہ ہوئی۔ تو اپنے چھوٹے چچا مولانا فرحت حسین صاحب (ف ۱۲۷۴ھ) کی طلب پر پٹنہ واپس آگئے۔ لیکن گھر میں اور چار پانچ سال کے بعد اپنی تمام جائداد فروخت کر کے اپنے بھائی مولوی عبدالکریم (جو اس وقت نابالغ تھے) اور تمام اہل و عیال کے ساتھ مکہ معظمہ کی راہ لی (شوال ۱۲۷۵ھ/مئی ۱۸۵۹ء) اور تقریباً ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۹ میں حج و زیارت سے فراغت کے بعد صوات پہنچ گئے۔ اور کم و بیش دو سال میر مقصود علی کی ماتحتی میں کام کرتے رہے۔ میر مقصود علی کے انتقال کے بعد آپ کو مہاجرین نے باصرار امیر منتخب کیا۔ (تقریباً ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲) مولانا عبداللہ رح کا دور امارت بہت طویل اور پر آشوب رہا۔ ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ سے ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ تک کل بیالیس برس یہ امیر رہے۔ اس درمیان میں سرد و گرم ہر قسم کے واقعات پیش آئے، ان سے خط و کتابت اور تعاون کے جرم میں شمالی ہندوستان میں گرفتاریوں اور خانہ تلاشیوں کا بازار گرم ہوا (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ ـ ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۱) اور سازش کے پانچ مقدمے یکے بعد دیگرے چلائے گئے (جن کی تفصیل آگے آتی ہے) سرحد پار سرکار انگریزی سے متعدد اہم معرکے پیش آئے۔ اس مختصر

رسالے میں ان تمام واقعات کا مفصل طور پر بیان کرنا دشوار ہے۔ یہاں ہمیں صرف اہم واقعات کی طرف اشارہ کر دینا ہے اور بس۔

مولانا عبداللہ رح ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۲ میں امیر منتخب ہوئے اور تن دہی کے ساتھ جماعت کی فوجی تربیت کرنے لگے۔ ۱۸۶۴ء کے لگ بھگ ایک انگریز جو سرحدی علاقے میں خدمت پر مامور تھا، ان کی جماعت کے متعلق لکھتا ہے۔

"یہ لوگ اس وقت مجاہدین کے لیڈر ہیں، جو صحیح تخمینہ (Best Accounts) کے مطابق بارہ سو۱۲۰۰ اور چودہ سو۱۴۰۰ کے درمیان ہوں گے۔........... ان کا مقصد جیسا کہ وہ بیان کرتے ہیں، پورے ہندوستان میں اسلام کو از سر نو قائم کرنا ہے۔ اور اپنے موجودہ مستقر میں یہ لوگ سختی کے ساتھ شریعت کے پابند ہیں۔ انھوں نے فوجی تنظیم کر لی ہے اور اسلحہ سے آراستہ ہیں[1]"

ان کی فوجی پوزیشن کا اندازہ کرنے کے لئے ہنٹر کے یہ بیانات ملاحظہ ہوں۔

"اس کے باوجود ہماری غیر وفادار ہندوستانی رعایا باغیوں کے کیمپ میں آتی رہی ۱۸۶۳ء میں یہ تعداد اس قدر بڑھی کہ حکومت پنجاب دوسری جنگ کا مشورہ دینے پر مجبور ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ سکرٹری آف اسٹیٹ نے یہ خیال ظاہر کیا (مراسلہ ۱۷ اپریل ۱۸۶۲) کہ باغیوں کو قوت کے زور سے نکالنا ضروری ہے" (انڈین مسلمانز صـ۲۶ـ)

"اس وقت تو ہم کوئی کارروائی نہ کر سکے لیکن ۱۸۶۳ء اپریل میں ہم انھیں

---

(۱) A General Report on Yusufzais صفحہ ۲۴

حسبِ دستور قتل و غارت گری میں مشغول پاتے ہیں۔ اسی سال جولائی میں انھوں نے بہادرانہ پھر ستھانہ کی چھاونی پر قبضہ کر لیا۔ اور ہمارے حلیف رئیس انب کو بھی تہدید آمیز پیغام بھیجے" صـ۲۷

"۷ ستمبر ۱۸۶۳ء کو جہادیوں کی ایک جماعت برطانوی علاقے پر چڑھ آئی۔ اور ہمارے (Guide Corps.) پر حملہ کرکے انھوں نے کھلی جنگ کا سگنل دیدیا" صـ۲۷

یہ سب ہمارے خاص کرم فرما ولیم ولسن ہنٹر صاحب کی 'تمہید' تھی۔ اب ۱۸۶۳ء کی جنگ امبیلا (Umbela.) کی تفصیلات سُنئے۔

جنرل چیمبرلین (Sir. Neville. Chamberlane.) کی سرکردگی میں (۷۰۰۰) برطانوی سپاہ ۱۸ اکتوبر ۱۸۶۳ء کو مجاہدین کے مقابلے کے لئے روانہ ہوتی ہے۔

"دوسری شام کو ایک دستہ امبیلا کی گھاٹی (Pass) تک پہنچ گیا۔ ہماری پشت پر تمام سرحدی مورچوں پر کافی سپاہ تھی ..... جنگ بڑھی مشکوک ۔ قبائل بھی دشمنوں سے مل گئے۔ سرحد سے حکومت کو تار پر تار امداد کی طلب کے موصول ہونے لگے۔ فیروزپور رجمنٹ کا ایک دستہ روانہ ہوا۔ ایک پیادہ دستہ پشاور سے پیچھے کو روانہ ہوا۔ سیالکوٹ اور لاہور سے بھی کمک روانہ ہوئی۔ تین ہفتوں کے اندر پنجاب کی چوکیاں سپاہ سے اس طرح خالی ہوگئیں کہ میا نمیر کا کمانڈنگ افسر بڑی مشکلوں سے چوبیس سنگینوں کی سلامی لفٹننٹ گورنر کو دے سکا" صـ۳۲-۳۱

اس مہم میں برطانوی سپاہ کو جو نقصانات اٹھانا پڑے، اور مجاہدین و قبائل کے اتحاد سے انگریزی سپاہ کو جو زک پہنچی، اس کی ندامت مٹانے کے لئے ہمارے "خاص کرم فرما" صاحب نے یہ افسانہ تراشہ ہے کہ مجاہدین کی جمعیت ۵۳۰۰۰ ہزار پر مشتمل تھی:۔

"۱۸۶۳ء کی مہم نے یہ بتلایا کہ جہادیوں کی چھاؤنی کے خلاف معرکہ آرائی کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ دنیا کی بہترین جنگجو قوموں کے ۵۳ ہزار افراد سے لڑائی مول لی جائے۔"

گو ہنٹر صاحب نے اپنے بیان کی تائید میں سرکاری ریکارڈ، کا حوالہ دیا ہے، پھر بھی یہ بیان صد درجہ مبالغہ آمیز ہے۔ اگر سرکار کی مخالف فوج ۵۳۰۰۰ یا ۶۰۰۰۰ ہوتی اور وہ بھی بقول ہنٹر صاحب "دنیا کے بہترین جنگجو قوموں کی" تو پھر جنرل چیمبرلین سات ہزار کی مختصر فوج لے کر کس طرح حملہ کی جرأت کرتے؟

یہ ساری داستان سرائی اس لئے کی گئی ہے کہ امبیلا کی گھاٹی پر چیمبرلین کا حملہ ناکام رہا اور وہ خود بھی بُری طرح زخمی ہوا:۔

"حقیقت یہ ہے کہ حملے کی اسکیم ناکام رہی۔ اصلی خیال یہ تھا کہ گھاٹی کے ذریعہ ناگہانی حملہ کر کے سامنے کی وادی پر قبضہ کر لیا جائے امپیریل گورنمنٹ کا حکم تھا کہ تمام فوجی نقل و حرکت (Operations.) ۱۵ نومبر تک ختم ہو جائے۔ اور یہاں ۴ نومبر تک ہماری فوج آگے بڑھنے سے قاصر تھی۔

اور کھلے میدان میں مسلسل حملوں کی جگہ، جہاں کہ مہذب جنگ کے ذرائع کام آسکیں، ہمیں پہاڑیوں کے بہت ہی پھیلے ہوئے حلقے میں مدافعت کے لئے تیار ہونا پڑا۔ اسی روز حکومت پنجاب نے درخواست کی کہ ۱۵۰۰ سپاہیوں کا ایک اور دستہ سرحد بھیجا جائے۔ اور ۱۹ر کو جنرل چیمبرلین کے ایک تار سے منکشف یہ ہوا کہ کہیں کمک بعد از وقت نہ ثابت ہو ــــــ

"۱۸ر کو دشمن نے ہم پر سخت حملہ کیا۔ ہماری ایک چوکی پر قبضہ کر لیا۔ ہم ۱۱۴ مقتول اور زخمی (افسروں کے علاوہ) چھوڑ کر پیچھے ہٹے۔ دوسرے روز دشمن نے پھر ایک چوکی پر قبضہ کر لیا۔ جو پھر ایک خونی معرکے کے بعد واپس لے لیا گیا، جس میں ہمارا ۱ افسر بری طرح زخمی ہوا۔ اور ۱۲۸ آدمی (افسروں کے علاوہ) کام آئے"۔۔۔۔۔ (ص ۲۵-۴۴)

ڈاکٹر ولیم ولسن ہنٹر کے ان بیانات کی تائید و "توضیح" کے لئے مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری (ملزم مقدمہ سازش انبالہ سنہ ۱۸۶۴ء و اسیر پورٹ بلیر) کا "محتاط" بیان بھی پڑھ لیجئے، جو ان کی کتاب تواریخ عجیب (مولفہ سنہ ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء) میں ضمنی طور پر آگیا ہے:۔

"آخر سنہ ۱۸۶۳ء مطابق سنہ ۱۲۸۰ھ[1] سرحد غربی [۹] ہند پر خود سرکار کی زبردستی سے ایک جنگ عظیم شروع ہوئی۔ جنرل چیمبرلین صاحب اس جنگ کے سپہ سالار تھے۔ امبیلے کی گھاٹی میں جا کر سرکار کو بہت تکلیف ہوئی [۹]

(۱) سنہ ۱۲۸۰ھ = ۱۸ر جون سنہ ۱۸۶۳ء ــ ۵ر جون سنہ ۱۸۶۴ء۔

"کی مداخلت بیجا کے سبب سے اخوند صوات بھی بغرض اعانت اہل قافلہ [یعنی مجاہدین] اپنے بہت سے مریدوں کو ساتھ لے کر شامل جنگ ہو گیا۔ ملکی افغان چاروں طرف سے اپنے بچاؤ کے واسطے مقابلہ سرکار پر ٹوٹ پڑے سخت جنگ ہونے لگا [لگی]۔ خود جنرل چیمبرلین صاحب مجروح شدید ہوئے۔ قریب سات ہزار کے کشت و خون کی نوبت پہنچی۔ تمام پنجاب کی چھاونیوں سے فوج کھینچ کر سرحد بھیجی گئی"۔ (ص ۳۰۰، تواریخ عجیب۔ مطبوعہ ۱۳۰۴ھ)

"جب انگریزی فوج بلا وجہ زبردستی سے اپنی عملداری سے باہر یاغستان غیر عملداری میں چڑھائی کر کے گئے [گئی] تو سارا ملک یاغستان مع اخوند صوات کے سرکار سے بگڑ گیا۔ اور درۂ امبیلا پر سخت لڑائیاں ہوئیں۔ اگر لاکھوں روپیہ رشوت دے کر اُن بگڑے ہوئے افغانوں کو راضی نہ کیا جاتا، ایک آدمی بھی فوج انگریزی کا واپس نہ آتا"۔ (ص ۳۰۳)۔

"لاکھوں روپیہ رشوت دے کر افغانوں کو راضی کرنے" کی تفصیل خود سرکار کے ترجمان ڈاکٹر ہنٹر کی زبانی سُنیئے، تو اچھا ہے۔ یہ پہلے بھی کہیں عرض کیا جا چکا ہے۔ کہ ان "مجاہدین مرابطین" کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ وہ بار بار دھوکا کھانے کے باوجود خوانین پر اعتماد کرتے تھے، جس طرح خود سید شہید رح اور اُن کے خاص رفیقوں سے یہ چوک ہوئی کہ اُنھوں نے افغانی قبائل کی تربیت و اصلاح کئے بغیر ان کے علاقے کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیا اسی طرح ان کے ماننے والوں نے یہ غلطی کی کہ پہلے خود ہندوستان کے اندر فکری و عملی انقلاب

کی دعوت دینے کے بجائے۔ سرحد پار جا کر خفیہ ذرائع سے عملی تحریک کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ ہمارے نزدیک دین کی تجدید و اقامت کے لئے ایک کھلی ہوئی (Open.) عمومی دعوت اصلاح اور فکری و اخلاقی انقلاب کی عام تحریک اور افکار و اخلاق کی تعمیر جدید سے کام شروع ہونا چاہیئے۔ اور اس کے لئے صحیح مقام سرحد پار نہیں بلکہ ہندوستان کے شہر اور دیہات ہیں۔ بہرحال تحریک کی ناکامی کے اسباب پر ہم آگے چل کر پھر لکھیں گے۔ یہاں جنگ ابیلا کے عبرت ناک حشر کی داستان ملاحظہ ہو۔ ہنٹر صاحب راوی ہیں "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" سنا ہوگا:۔

"لیکن جو کام ہماری سپاہ سے نہ ہو سکا وہ ہماری ڈپلومیسی نے کر دکھایا۔ سرحدی قبائل کا اتحاد ڈانواں ڈول ہوتا ہے۔ ۲۵ نومبر کو پشاور کے کمشنر نے بنیر کے بعض قبیلوں کو الگ کر لیا۔ ان کے علاوہ دو ہزار کے ایک اور دستے کو گھر جانے پر راضی کر لیا۔ نیز سوات کا سردار اپنے خاص ماننے والوں کو منتشر کرنے پر راضی کر لیا گیا۔ ۱۰ دسمبر تک بے اعتمادی کا رنگ کھلا [اور یہ شجر خبیث[1] بار آور ہوتا نظر آیا] ۔ ۱۰ دسمبر کو قبائل بنیر کا بڑا جرگہ کمشنر کے ہاں آیا، لیکن شرائط نہ طے ہو سکے۔

ہم نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا اور [؟] (LAN) پر شبخون مارا۔

---

(۱) ان سطروں کی تحریر کے وقت راقم کے پاس ہنٹر کی کتاب موجود نہیں ہے۔ یہ نوٹ پانچ چھ سال پہلے لئے گئے تھے۔ یادداشت میں یہ جملہ بھی مذکور ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راقم "اصل" کے حدود سے تجاوز کر کے "شجر خبیث" لکھ گیا ہے اس لئے احتیاطاً یہ جملہ [ ] کے درمیان درج کیا گیا۔

۱۶ ار کو ہم نے امبیلا بستی میں آگ لگا دی۔ اور قبیلے کے ۲۰۰ آدمی میدان میں مجروح یا مردہ چھوڑ دیئے"

"بس دوسرے ہی دن بنیر کے قبائل تیار ہو کر آئے اور کمشنر سے "ضروری احکام" کی درخواست کی۔ یہ علیحدگی جہادیوں کی امیدوں کے لئے پیام مرگ ثابت ہوئی۔ صبح شام ایک نہ ایک قبیلہ الگ ہونے لگا"...... سوات کی تمام فوج ہمدم الگ ہونے پر آمادہ تھی۔ یہ اتحاد و اتفاق کہر کے پہاڑ کی طرح آن کے آن میں رخصت ہو گیا۔ بنیر کے قبائل جن پر ان مجاہدین کو اعتماد تھا۔ ہمارے ساتھ اس معاہدہ (Engagement) پر متفق ہوئے کہ جہادیوں کو ان کے نیستان (Den) ہی میں جلا کر راکھ کر دیا جائے"

"ایک ہفتے کے اندر ایک قوی برطانوی دستہ بنیر کی رہنمائی اور مدد کے سہارے کامل امن و امان کے ساتھ پہاڑیوں سے گذر کر ملکا کی جہادی چھاؤنی کو آلیا۔ اور اسے خاک کر کے دم لیا۔ یہ دستہ بدنصیب امبیلا گھاٹی کے قریب ۲۴ دسمبر کو پہنچا۔ اور ۲۵ کو پھر کھلے میدان میں تھا۔ واپسی میں ایک فائر کی بھی ضرورت نہ پڑی" (ص ۳۶-۳۹)

اسی مہم امبیلا کے متعلق ایک اور بیان ملاحظہ ہو۔ سید محمد لطیف جنہیں سید شہید اور ان کی جماعت سے خاص پرخاش معلوم ہوتی ہے۔ اپنی کتاب تاریخ پنجاب (History Of Punjab.) میں لکھتے ہیں۔

"مجاہدین ستھانہ کے خلاف فوجی اقدام مہم امبیلا کے نام سے موسوم ہے اس کا قائد جنرل نیولی چیمبرلین تھا۔ مجاہدین ملکا کے آس پاس بڑی تعداد میں جمع ہوئے

اس پہاڑ کے شمالی جانب جو دریائے سندھ کو دریائے کابل سے جدا کرتا ہے لڑائی دست بدست اور بہت سخت ہوئی۔ ایک معرکہ میں خود جنرل سخت زخمی ہوا...... پھر کمک پر کمک آئی۔ اور جنرل گرکاک نے انھیں لالو کے قیام پر شکست دی اور دشمن [؟ "یہ ایک مسلمان کی تحریر ہے] پیٹھ پھیر کر بھاگے........ مجاہدین کا مرکز ملکا قبضہ کے بعد نذر آتش کر دیا گیا" اور......" (ص ۵۸۶)۔

اس مہم امبیلا کے سلسلے میں ایک بات رہی جاتی ہے۔ جب یہ مہم ناکام رہی۔ اور تمام جبر و تعدی کے باوجود مولانا عبداللہ صادق پوری کی جماعت زندہ رہ گئی۔ تو سرکار انگریزی نے مولانا عبدالرحیم صادق پوری (ابن عم مولانا عبداللہ) کے ذریعہ مصالحت چاہی۔ جو اُن دنوں (۱۸۶۴ء) مقدمہ سازش انبالہ کے سلسلے میں سزایاب ہو کر انڈمان بھیجے جا رہے تھے۔ مولانا عبدالرحیم (ف ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء) اس گفتگوئے مصالحت کا ذکر ان "محتاط" لفظوں میں کرتے ہیں:۔

"اوس وقت ایک اور امتحان اس نالائق پر خاص کر کے کہ کمشنر صاحب و ڈپٹی کمشنر صاحب کی خواہش ہوئی کہ بذریعہ کمترین مولوی عبداللہ ساکن افغانستان سے پیغام مصالحت کیا جائے کہ جن سے بہ مقام انبیلہ سرکار سے جنگ ہوئی تھی اور وہ اس کمترین کے چچا زاد بھائی تھے۔......"

اس گفتگوئے مصالحت کا حشر جو کچھ ہوا ہو گا، وہ مولوی عبدالرحیم صاحب کی "خاموشی" سے ظاہر ہے۔

اس مہم کے بعد چار سال ایک گونہ خاموشی رہی۔ پھر ۱۸۶۷ء میں "چھیڑ چھاڑ" کا ذکر آتا ہے، ۱۸۶۸ء میں باضابطہ لشکر کشی کے واقعات ملتے ہیں، ہنٹر کا بیان ہے۔

"بہر حال اب کے برطانوی حکام بالکل تیار تھے۔ ۸ ستمبر کو حکومت نے ایک فوجی دستہ بھیجا۔ ۳۰ اکتوبر کو کمانڈر ان چیف کی زیر ہدایت اور جنرل وائلڈ سی۔بی (Wilde . C. B.) کی قیادت میں فوجیں روانہ ہوئیں۔ اب کے پنجاب سے فوج نہیں گئی۔ بلکہ .... سرحد کی مستقل فوج دونی کر دی گئی۔ اور ہندوستان کی برطانوی سپاہ کا مایہ ناز حصہ جہادی پہاڑی قبیلوں کی سرکوبی میں لگ گیا۔ (ص ۴۱-۴۰)

"یہ مہم [یعنی ۱۸۶۸ء کی مہم] ختم ہوگئی اور حکومت پنجاب کو افسوس رہا کہ ہندوستان کے جہادی نہ تو نکالے جا سکے اور نہ ہم انھیں مطیع کر کے ان کے گھروں کو ہندوستان واپس کر سکے۔" (ص ۴۲-۴۱)

یہ آخری مہم ہے، جس کی تفصیل ہم تک پہنچی ہے۔ ۱۸۷۹ء کی ایک فوج کشی کے متعلق ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"ہنٹر نے ۱۸۷۱ء میں لکھا تھا کہ جب جنگ ہوگی ـــــ اور جلد یا دیر افغانوں سے جنگ چھڑنا ضروری ہے ـــــ تو ہمارے سرحد کی باغی نو آبادیاں دشمن کے لئے بہت کارآمد ہوں گی ـــــ لیکن ۱۸۷۹ء کے پورے افغان چڑھائی میں نہ تو ستھانہ کی نو آبادی اور نہ شورش پسند (Malcontents.) وہابیوں کا کہیں ذکر آیا۔[1]"

---

(۱) E. Rehatsek کا مقالہ "وہابیت کی تاریخ عرب اور ہندوستان میں" مندرجہ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد ۱۴ صفحہ ۳۶۸

——— پھر سنہ۱۸۹۰ء کی بابتہ ایک دوسرے صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

"سنہ۱۸۹۰ء تک یہ لوگ خطرے سے خالی نہیں تھے"(۱)

بہرحال سنہ۱۸۵۸ء کے بعد مرابطین سرحد کے حالات اب تک منضبط نہیں ہوسکے ہیں، تاریخ کے طالب علم کے لئے یہ تحقیق کا دلچسپ موضوع ہے، جہاں تک چھان بین اور ذاتی تحقیق سے معلوم ہوسکا ہے۔ اُس کا خلاصہ یہ ہے:۔

مولانا عبداللہ صادق پوری اپنی زندگی کے آخری لمحۂ حیات تک اس راہ پر ثابت قدم رہے۔ ان کی وفات شعبان سنہ۱۳۲۰ھ (نومبر سنہ۱۹۰۲ء) میں ہوئی۔ ان کے بعد ان کے چھوٹے بھائی مولانا عبدالکریم (مولود غالباً سنہ۱۲۵۵ھ) کو "تنظیم جماعت اور عسکری امارت" سپرد ہوئی۔ افراد جماعت آپ سے مطمئن تھے۔ دانشمندی اور مصلحت اندیشی سے اپنی زندگی گذاری۔ ان کا انتقال ۲۵ ربیع الاول سنہ۱۳۳۳ھ کو صوات بنیر میں ہوا۔

اس آخر دور میں مولانا عبداللہ رح کے پوتے غازی نعمت اللہ شہید امارت پر فائز تھے۔ اور ایک پنجابی مدعی جہاد (جو اب تک مفرور ہے) کی سازش سے ایک پنجابی نوجوان نے پستول سے ان کا خاتمہ کردیا۔

ان کے بعد مولانا عبداللہ کے دوسرے پوتے رحمت اللہ غازی

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ جلد ۴ صفحہ ۱۰۸۹

'مرابطین' کے امیر ہیں۔ اس وقت یہ غالباً زندہ ہیں اور غازی نعمت اللہ کے صاحبزادے بھی جماعت میں نمایاں ہیں، اور ان دونوں کے ساتھ ماننے والوں کی ایک مختصر تعداد وہاں مقیم ہے۔ اور یہ برائے نام امامت وامارت اب تک قائم ہے۔

"رسی جل چکی مگر بل باقی ہیں"

پانچواں باب

ہندوستان کے اندر

یہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ سید صاحب رح کی شہادت (۱۲۴۶ھ) کے بعد مولانا ولایت علی رح نے زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور پوری جماعت نے آپ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی تجدید کی (۱۲۴۸ھ) شروع شروع ملک کے اندر اور باہر (یعنی جہاد بالسیف اور مال و اسباب کی فراہمی) دونوں کام مولانا ولایت علی رح ہی کی نگرانی میں چلتے رہے۔ مگر جب وہ مستقل طور پر بیرون سرحد کو ہجرت کر گئے (۱۲۶۵ یا ۱۲۶۶ھ)۔ ان کے چھوٹے بھائی مولانا فرحت حسین صاحب[1] (مولود ۱۲۲۶ھ) نے اندرونی نظم و تبلیغ کا کام سنبھالا۔ اور تمام کاموں میں لوگ ان کی طرف رجوع کرنے لگے۔ آپ کی وفات تک (۱۲۷۰ھ) اندرون ملک کی رہنمائی اور سربراہی یکسر آپ کے ہاتھ میں رہی۔

ان کے بعد مولانا یحییٰ علی جعفری صادق پوری (مولود تقریباً ۱۲۳۸ھ) نے

---

(۱) مولانا فرحت حسین کے تفصیلی حالات کے لئے تذکرہ صادقہ (ص ۱۲۵-۱۴۱) ملاحظہ کی جائے۔

نظم ونسق کو سنبھالا اور ایک عرصے تک تحریک کو حیرت انگیز طریقے پر چلاتے رہے۔ تاآنکہ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ گرفتار کر لیے گئے۔ انبالہ میں مقدمہ چلا۔ پھر انڈمان بھیجے گئے (جنوری ۱۸۶۶ء) اور وہیں ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء میں انتقال ہوا۔ (ان کے حالات اور کارناموں کا مختصر بیان آگے آتا ہے)۔

مولانا یحییٰ علیؒ کی گرفتاری یا مقدمہ سازش انبالہ (۱۸۶۴ء) کے بعد ان کے بڑے بھائی مولانا احمد اللہ (مولود ۱۲۲۳ھ) نے کام سنبھالا۔ تاآنکہ ۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء میں ان پر بھی مستقل مقدمہ چلایا گیا۔ وہ بھی انڈمان بھیجے گئے، اور وہیں سپردِ خاک ہوئے (۲۸ ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء)

مولانا احمد اللہ کی گرفتاری کے بعد مولوی مبارک علی صاحب تنظیم کے ذمہ دار ہوئے۔ یہ صادق پور کے نہیں تھے بلکہ اطراف حاجی پور ضلع مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ مولانا ولایت علی (ف ۱۲۶۹ھ) یا مولانا فرحت علی (ف ۱۲۷۴ھ) سے بیعت تھی۔ جماعت کی تنظیم کے سلسلے میں یہیں رہ پڑے۔ مولانا احمد اللہ رح کی گرفتاری (۱۲۸۱ھ/۱۸۶۵ء) کے بعد جماعت کا کام ہاتھ میں لینا بڑی آزمائش کا کام تھا پٹنہ کی زمین خون کی پیاسی ہو رہی تھی۔ ملک کے طول و عرض میں دار و گیر کا سلسلہ جاری تھا۔ قسمت برگشتہ کی طرح سرکار کی چشم التفات کیا پھری عظیم آباد کے رئیسوں اور جاہ پسندوں کے تیور بھی بدل گئے۔ .... ایک عجیب قیامت کا سماں تھا۔ ان حالات میں مولوی مبارک علی صاحب نے جان جھوکم میں ڈال کر تنظیم جماعت کا کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور ایک عرصے تک اپنا فرض حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیتے رہے۔ "مقدمات سازش" کی پیروی میں بھی

انھوں نے مولوی محمد حسن صاحب ذبیح (فرزند مولانا ولایت علیؒ) کا ہاتھ بٹایا۔ جب آپ ضعیف ہوئے، تو اپنی نیابت کے لئے مولوی محمد حسن صاحبؒ کو تجویز و منتخب کیا۔ اور ان کی تربیت میں پوری کوشش کی ـــــ مگر یہ تنظیم کا کام اُن دنوں اتنا آسان نہیں تھا کہ مولوی مبارک علی صاحب سرکار کی نظر عنایت سے محروم رہ جاتے۔ کسی حیلے سے، انھیں بھی حبس و زنداں سے نوازا گیا (۱۸۶۸ء)۔ غالباً اُن کی گرفتاری ۱۸۶۸ء کے اواخر میں (۱۲۸۵ھ) ہوئی۔ اس لئے کہ مقدمہ سازش پٹنہ (۱۸۷۱ء) کے ایک سرکاری گواہ ہریش چندر مکرجی (کلرک ڈاک خانہ، پٹنہ) کا بیان ہے کہ انھوں نے ۷ مئی اور ۲۷ مئی ۱۸۶۸ء کو دو رجسٹر خط دہلی بھیجے تھے۔ اور جس کی رسید نہ ملنے پر انھوں نے ۲۸ نومبر کو ایک باضابطہ درخواست بھی دی تھی (وہابی ٹرائل صـ۹۶)۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے خطوط پر سنسر پیشتر سے ہو رہا تھا ـــــ پھر ۱۸۷۱ء کے مقدمہ سازش میں بھی انھیں دھر گھسیٹا گیا۔ سزا تو عبور دریائے شور کی ہوئی۔ مگر انھیں قید میں اتنی تکالیف و اذیت دی گئی کہ وہیں جان بحق ہوئے[1]۔ مولوی مبارک علی صاحب پر یہ بھی الزام تھا کہ انھوں نے جہاد پر ایک کتاب تالیف کی تھی (صـ۸۶)۔

---

(۱) سال وفات نہیں معلوم۔ سرکاری کاغذات سے ۱۸۶۸ء کی گرفتاری پھر ۱۸۷۱ء کے مقدمہ سازش میں شمولیت اور سزا یابی کا ذکر آتا ہے ـــ پھر کچھ پتہ نہیں ملتا۔ "قید خانے کی اذیتوں اور امی تکالیف کے عالم میں واصل بحق ہونے" کی روایت ایک نہایت معتبر بزرگ کی زبانی ہے۔ ۱۸۹۲ء میں ان کی زیارت ہوئی تھی۔ عمر ۸۰ سے اوپر تھی اور ہوش و حواس بالکل بجا ـــ ان سے مل کر اندازہ ہوا کہ اُن کے بزرگوں کا کیا حال رہا ہوگا ـــ قرائن بھی یہی ہیں کہ مولوی مبارک علی صاحب انڈمان جانے سے پہلے ہی قضا کر گئے اس لئے کہ مولوی عبد الرحیم صاحب نے اکثر رفقا کے ابتلا کا ذکر کیا ہے، اگر یہ وہاں ہوتے، تو اتنی اہم شخصیت کا تذکرہ ضرور آتا۔ مزید یہ کہ ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۳ء) میں جب اسیرانِ پٹنہ رہا ہوئے، تو اسوقت انڈمان میں صرف چھ آدمی تھے، جن کے نام آگئے ہیں۔ ان میں مولوی مبارک علی کا نام نہیں آتا۔ حالانکہ ان کے صاحبزادے تبارک علی (ماخوذ مقدمہ سازش ۱۸۷۱ء) کا نام ان چھ میں آتا ہے۔

مولوی مبارک علی صاحب کی گرفتاری کے بعد مولوی محمد حسن صاحب ذبیح (مولود ۱۲۶۴ھ) خلف مولانا ولایت علیؒ نے کام کو سنبھالا۔ مولوی محمد حسن صاحبؒ کا حال عجیب و غریب اور سبق آموز ہے۔ وہ ابھی بے فکری اور تنعم کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ ان کی عمر سولہ برس سے زیادہ نہ ہوگی کہ خاندان کا ظاہری طمطراق ختم ہونے کو آیا۔ اور آخرت میں سرخ روئی کا سامان تیار ہوا۔ مقدمہ سازش انبالہ (۱۸۶۴ء) کے سلسلے میں جب اُن کے چچا زاد بھائی مولانا عبدالرحیمؒ گرفتار ہونے لگے۔ تو انھوں نے مولوی محمد حسن کو بلا کر کہا۔

"اب میں جاتا ہوں۔ لو اب گھر بار کی تم خبر گیری کرو"

یہ سننا تھا کہ اس سولہ سالہ نو عمر لڑکے کا رنگ ہی بدل گیا۔ ایک طرف "سازش" کے مقدموں کی پیروی(۱) میں کلکتہ سے لے کر انبالہ تک کی دوڑ دوسری جانب ایک بڑے کنبے کے بچوں، بچیوں اور عورتوں کی خبر گیری۔ نازکے پلے ہوئے بچے اور بچیاں جن کے باپ دادا، چچا، ماموں یا تو شہید ہو چکے تھے یا میدان جہاد میں تھے۔ اور باقی ماندہ اب سرکاری مہمان خانے کو بھیجے جا رہے تھے۔ جن کے گھر بار اور جائدادیں ضبط کر لی گئی تھیں۔ بزرگوں کی قبریں تک اکھاڑ کر پھینک دی گئی تھیں۔ زمانے کی نگاہ بدل چکی تھی ——— ان جاں گسل حالات میں مولوی محمد حسن مرحوم نے وہ کر دکھایا

(۱) مولوی محمد حسن صاحب مرحوم کی ان محیر العقول کوششوں کے صلے میں پٹنہ کے کلکٹر (۱۸۶۵ء) مسٹر راونشا (T. E. Revenshaw) نے اپنے میمورنڈم میں انھیں "بڑا بدمعاش" (A great Rascal.) کے لقب سے یاد کیا ہے۔ (کلکتہ گزٹ۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء)

جو بڑے بڑوں سے نہ ہوتا۔ حیرت ہوتی ہے یہ سُن کر کہ انھوں نے اس کم سنی اور بے کسی کے عالم میں لندن تک سے پیروی کے لئے بیرسٹر بلوائے۔ اور جزائر انڈمان جاکر اسیران بلا کی مزاج پرسی بھی کی۔ مقدمات و ابتلاء کا حال تو اپنی جگہ پر آئے گا۔ مولوی محمد حسن مرحوم کے متعلق یہاں پر اتنا عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ انھوں نے خاندان کی تعلیمی پالیسی کے بدلنے اور سرسید کی طرح حکومت کی برہمی دور کرنے کی بڑی کوشش کی۔ ۱۸۸۴ء/۱۳۰۲ھ میں صوبہ کا پہلا مسلم ہائی سکول (محمڈن اینگلو عربک سکول) کے نام سے قائم کیا، جو آج تک چل رہا ہے۔ نیز پٹنہ انسٹیوٹ گزٹ کے نام سے صوبے کا پہلا اردو اخبار جاری کیا۔ اپنے دو عزیزوں کو لندن تعلیم کے لئے بھیجا۔ سرکار نے بھی ۱۸۸۸ء میں "شمس العلماء" کے خطاب سے ان کوششوں کی داد دی۔ انھیں کی روش پہ مولوی محمد عیسیٰ (مولود تقریباً ۱۲۶۲ھ خلف مولانا یحییٰ علی صاحب) جو جہاد سرحد میں شریک ہو چکے تھے، نے اپنا نام امجد علی رکھ کر انگریزی پڑھی اور ام۔ اے۔ کیا۔ اور دنیا میں شمس العلماء مولانا امجد علی ام۔ اے۔ (پروفیسر گورنمنٹ میوسنٹرل کالج، الہ آباد) کے نام سے متعارف ہوئے (ف ۱۳۱۲ھ) اسی طرح مولوی عبد القدیر (مولود ۱۲۵۹ھ خلف مولانا احمد اللہ رح) نے بھی میدان جہاد سے واپسی کے بعد اشرف علی نام بدل کر عربی علوم اور طب کی تحصیل کی۔ پھر ام۔ اے۔ تک نئی تعلیم حاصل کی۔ اور مختلف مقامات میں "نگاہ خسروانہ" سے بچ بچ کر ملازمت کی۔ ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں وفات پائی۔ پھر تو اس خاندان میں

نئی تعلیم کی ایسی ریل پیل ہوئی کہ باید و شاید ——

شمس العلماء محمد حسن صاحب سے اور بھی ان کی "قوم" کو توقعات تھیں، مگر، وائے افسوس کہ عین شباب کے عالم میں پیام اجل آگیا (۷ ربیع الاول ۱۳۰۷ھ ۲ نومبر ۱۸۸۹ء)۔ اس سلسلے میں ایک امر حقیقت کا اظہار کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، ممکن ہے، بعض صاحبوں کو "راز درون پردہ" کا یہ انکشاف پسند نہ آئے، مگر اب یہ حضرات "تاریخ" بن چکے ہیں، اس لئے آنے والوں کے لئے صحیح معلومات فراہم کرنے میں تامل نہ ہونا چاہئے۔ کہنا یہ ہے کہ مولوی محمد حسن صاحب کی اس تعلیمی پالیسی سے خاندان کے تمام افراد خوش نہیں تھے۔ بعضے بعضے اصحاب متقشف عالم اور کٹر اہل حدیث بھی تھے۔ مثال کے طور پر مشہور اہل حدیث عالم مولانا عبد الحکیم صادق پوری (۱۲۶۱ھ — ۱۳۳۷ھ) خلف مولانا احمد اللہ رح اسیر انڈمان، تو اتنے سخت تھے کہ انھوں نے مولوی محمد حسن صاحب رح مرحوم کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی۔

مولوی محمد حسن صاحب رح کی زندگی ہی میں مولانا عبد الرحیم صاحب رح انڈمان سے واپس آچکے تھے (سنہ ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۳ء)۔ اس لئے خود بخود نظم و ارشاد کا کام اُن کی نگرانی میں چلنے لگا۔ اور حکومت کی سخت نگرانی کے باوجود مولانا عبد الرحیم رح (ف ۱۳۴۱ھ) کچھ نہ کچھ کرتے رہے ——

—— اب غالباً یہ سلسلہ بند ہو چکا ہے۔ یقین کے ساتھ کچھ کہنا مشکل ہے۔ مولانا عبد الرحیم رح نے اپنے آخری دور حیات میں، خاندان کے بعض افراد کی خاص طور پر تربیت کی تھی، وہ لوگ بحمد اللہ زندہ ہیں اور اپنے بزرگوں کے

مسلک پر قائم۔

نظامِ عمل

اندرونِ ہند کے امراء اور ناظمین کی فہرست ہم نے بالترتیب درج کر دی ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ یہ لوگ کیا کرتے تھے اور کس طرح کرتے تھے؟ سو اس کے متعلق بھی یہاں مختصر طور پر عرض کرنا ضروری ہے۔ تاکہ تحریک کا یہ اہم حصہ تشنۂ بیان نہ رہ جائے۔

"کیا کرتے تھے؟"(۱) کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، کہ یہ اوپر بارہا گذر چکا ہے۔ یہ لوگ اندرونِ ملک اور خاص کر بنگال و بہار کے اضلاع سے آدمی اور رقم فراہم کر کے بھیجا کرتے جو مبلغ اور محصّل آدمی اور رقم کی فراہمی کا کام کرتے، وہی ترکِ بدعات اور اتباعِ سنت کی بھی تبلیغ کرتے۔ اس طرح پر حضرت سید شہید رح کی تحریک کے دونوں اجزا (جہاد۱ اور محوِ بدعات۲) ساتھ ساتھ انجام پاتے تھے۔

"اب رہا یہ کہ کیسے کرتے تھے؟" سو اس کا جواب سننے کے لئے دل و جگر چاہئے۔ حضرت سید صاحب رح کی شہادت ۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۱ء میں ہوئی۔

---

(۱) مسٹر جیمس اوکنلے نے "وہابیوں" کی سرگرمیوں اور "باغیانہ" حرکات کے سلسلے میں بنگال کے فرضی فرقہ، دادو میاں (ٹیٹو میاں) اور حاجی شریعت اللہ وغیرہم اور ان کی متشددانہ اور غیر متشددانہ اعمال کا تذکرہ بڑے شد و مد کے ساتھ کیا ہے (ملاحظہ ہو اوکنلے کا مقالہ "ہندوستان میں وہابی" مندرجہ کلکتہ ریویو ۱۸۷۰ء) یہ واقعات غالباً صحیح ہوں گے، مگر ہم اب تک سید صاحب رح کی جماعت سے اس کا رشتہ معلوم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جلد ۱ صفحہ ۵۷-۵۹) میں خان بہادر مولوی ہدایت حسین مرحوم نے فرائضی پر مقالہ لکھا ہے اور غالباً بنگالی ہونے کے باعث وہ زیادہ واقف ہوں گے۔ ان کے مقالے سے بھی سید صاحب رح کی جماعت سے دادو میاں اور حاجی شریعت اللہ کا تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ غالباً یہ اوکنلے صاحب کے دماغ کی اُپج ہے۔

اور پٹنہ کا آخری مقدمہ سازش سنہ ۱۸۷۱ء / ۱۲۸۸ھ میں چلایا گیا۔ یہ چالیس برس کا عرصہ سید صاحب رح کے ماننے والوں کے لئے یکسر تگ و دو اور جد و جہد (ACTIVITY) کا زمانہ تھا۔ اس کی سرگذشت بہت طویل ہے۔ نہ کسی میں سننے کی تاب ہے اور نہ سنانے کی اجازت ہے۔ اور بڑی دقت یہ ہے کہ کسی مرد مومن نے اب تک اس جماعت کی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ سر ولیم ولسن ہنٹر (W. W Hunter) کی رسوائے عالم کتاب ہمارے ہندوستانی مسلمان (Our Indian Mussalmans) فرنگی مورخوں کا مرجع ہے۔ اور خود اس سفید فام لال بجھکڑ کا زیادہ تر اعتماد پٹنہ کے کلکٹر مسٹر راونشا کی اس یادداشت (Memorandum) پر ہے۔ جو اس نے مقدمہ سازش پٹنہ (سنہ ۱۸۶۵ء) کے سلسلے میں حکومت کے سامنے پیش کی تھی۔ یہ یادداشت ہمارے سامنے ہے۔ اور شروع سے آخر تک طرح طرح کی مبالغہ آرائیوں اور افترا پردازیوں سے بھری ہوئی ہے۔ بہرحال جہاں تک ممکن ہو سکا ہے، راقم نے صحیح معلومات اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ جس کا خلاصہ نذر ناظرین ہے۔

اس سلسلے میں تمہید کے طور پر ایک بات اور عرض کر دی جائے، تو شاید نامناسب نہ ہو۔ ہنٹر کی کتاب سنہ ۱۸۷۱ء میں شائع ہوئی تھی۔ اور سر سید مرحوم (ف سنہ ۱۸۹۴ء) نے بر وقت اس کا جواب بھی لکھا تھا۔ (سنہ ۱۸۷۲ء) اور اُن کی کوششیں مشکور بھی ہوئیں۔ نیز نواب صدیق حسن خان (ف سنہ ۱۳۰۷ھ) نے اپنے مختلف رسالوں اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (ف سنہ ۱۳۲۰ھ)

نے اپنے رسالہ اشاعت السنہ اور بعض تصنیفات کے ذریعہ الزام "جہاد و بغاوت" کی خوب تردیدیں کیں ــــــــــ لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ ہمیں مذہبی دیوانہ (Fanatic) اور غداری یا باغی (Disloyal.) کے القاب پر شرمندہ نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تو اپنی اپنی پسند ہے۔ اور اپنی اپنی اصطلاح (Terminology.)

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

اب ان کے کام کا مختصر خاکہ ملاحظہ ہو:۔

(i) ہر ہر گاؤں اور ضلع میں واعظوں کا اور اماموں کا تقرر جیسا کہ مولانا عنایت علی رح (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء) کے حالات میں گذر چکا ہے۔

(ii) چند چھوٹے مقامات، کو ملا کر ایک بڑے امام یا مبلغ کی زیر نگرانی کر دیا جاتا تھا۔

(iii) ملک کے مختلف حصوں میں دیانت دار اور خوش حال تاجروں کے پاس اس نواح کی رقم جمع ہوتی (یہ رقمیں صدقات واجبہ اور عام تبرعات، دونوں قسم کی ہوتیں) اور وہاں سے ہنڈیوں اور دوسرے ذرائع سے (کبھی کبھی خاص قاصدوں کی معرفت) پٹنہ، دہلی، تھانیسر، راولپنڈی وغیرہ تک

امانت پہنچائی جاتی جہاں سے خاص ذریعوں(۱) سے منزل مقصود تک "ہدیے" پہنچ جاتے
اس قسم کے تاجر پٹنہ (بنگال)، ڈھاکہ، کلکتہ، پٹنہ میں خاص طور پر کام کرتے تھے۔ امیر خاں
حشمداد خاں (ساکنان پٹنہ) کا چمڑے کا بہت بڑا کاروبار کلکتہ اور پٹنہ میں تھا جن
اسی پاداش میں سنہ ۱۸۷۱ء میں مستقل مقدمہ چلایا گیا۔ اور لاکھوں روپے کا فرم تباہ کر دیا گیا۔
(۱۱) تبلیغی رسالے اور جہادی نظمیں بڑی تعداد میں چھاپ کر بانٹی جاتیں۔ مثال کے
طور پر مولانا ولایت علی رح (وفات سنہ ۱۲۶۹ھ) کے رسالہ دعوت، مولوی خرم علی بلہوری۔
(وفات سنہ ۱۲۶۰ھ) کی مثنوی جہادیہ مولانا اولاد حسین قنوجی رح (وفات سنہ ۱۲۵۳ھ) کے رسالہ راہ سنت
کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ یہ تینوں بزرگ سید صاحب رح کے خلفاء میں تھے، ان کے علاوہ
اس سلسلے کے مختلف بزرگوں نے ترغیب جہاد اور رد بدعات پر جتنے رسالے
اور کتابیں لکھیں ان رسالوں کا مفصل ذکر اور مضامین کی تفصیل یہاں ناممکن [۹۲]
ہے۔ مثال کے طور پر سنیئے۔

---

(۱) راوِنشا نے ان خاص ذرائع کی حسب ذیل تفصیل دی ہے۔
(۱) مولا بخش (ساکن پٹنہ)، محمد شفیع [مہتمم سازش انبالہ۔ بعد میں وعدہ معاف گواہ] میاں میر کیمپ، لاہور میں۔
(۱۱) عبدالکریم، [مہتمم سازش انبالہ۔ بعد میں وعدہ معاف گواہ] شفیع کا ایجنٹ راولپنڈی میں۔
(۱۱۱) نبی بخش۔ شفیع کا ایجنٹ (راولپنڈی)
(۱۷) احمد علی (ساکن جگری۔ بہار) پشاور۔

[۹۲] جناب عبداللہ یوسف علی صاحب مترجم قرآن کریم نے اپنی کتاب (انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ صفحہ ۴۸، ۹۰-۱۸۹)
میں اس جماعت کی ان کوششوں کا مختصر ذکر کیا ہے۔ جو اس نے اردو کی اشاعت اور ٹائپ پریس کے قیام کے سلسلے میں
کیں (یعنی تبلیغ کے سلسلے میں اردو طباعت و اشاعت کی جو بیش بہا خدمات ضمنی طور پر انجام پا گئیں) آپ کو
یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ہمارے مترجم قرآن کریم کو بھی خبر نہیں کہ "بدنام وہابی" حدیثوں کو کیا درجہ دیتے ہیں؟
مولوی کرامت علی (وفات سنہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء) اور "وہابیوں" کا فرق بیان کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں۔ "اور (کرامت علی)
حدیث پر یقین رکھتے ہیں، جنھیں وہابیوں نے مسترد کر دیا تھا" صفحہ ۱۹۲) اللہ رے! سخن فہمی!!
"وہابیوں نے حدیث کو مسترد کر دیا تھا"؟ ہائے رے! بوالعجبی!! کوئی تبلاؤ کہ ہم تبلائیں کیا؟

(الف) مولانا اولاد حسن قنوجی رح (ف ۱۲۵۳ھ) کے رسالہ "راہ سنت" (مطبوعہ بمبئی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) کے آخر میں منظومات اردو کا ایک ضمیمہ ہے۔ جن میں ایک نظم کا ایک مصرعہ یہ ہے۔

"خیر خواہ کمپنی مردود ہے"

(ب) رسالہ جہادیہ میں ایک شعر آتا ہے:-

فرض ہے تم پر مسلمانو جہاد کفار۔ اس کا سامان کرو جلد اگر ہو دیندار

(ج) ردشرک کے سلسلے میں مولوی خرم علی بلہوری رح (ف ۱۲۶۰ھ) کی ایک نظم کے یہ شعر ملاحظہ ہوں۔

خدا فرما چکا قرآن کے اندر — میرے محتاج ہیں پیر و پیغمبر
نہیں میرے سوا طاقت کسی میں — کہ کام آوے تمہاری بے کسی میں
جو خود محتاج ہووے دوسرے کا — بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا الخ الخ

(۱۷) صادق پور کے بڑے مکان میں جو "قافلہ" کے نام سے مشہور تھا۔ جہاد کے رضا کار بنگال سے آتے ہوئے کچھ دنوں قیام کرتے اور وہاں ناظم جماعت کے مواعظ سے مستفید ہوتے۔ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے۔ یہ واعظ مولانا ولایت علی رح (ف ۱۲۶۹ھ) اور ان کی عدم موجودگی میں ان کے چھوٹے بھائی مولانا فرحت حسین (ف ۱۲۷۷ھ) ہوتے۔ اور موخر الذکر کے انتقال کے بعد مولانا یحیی علی (ف در انڈمان ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء) یہ خدمت انجام دیتے۔ یہ سلسلہ باضابطہ طور پر ۱۸۶۲ء/۱۲۸۰ھ تک جاری رہا۔ جب کہ سازش کا پہلا مقدمہ شروع ہوا۔ صادق پور کا "قافلہ" والا مکان (جہاں اس وقت پٹنہ سٹی میونسپلٹی کی عمارت ہے) بہت وسیع تھا۔

اور وہاں بیک وقت سینکڑوں آدمی مقیم ہوتے۔ قافلہ کے مواعظ کے علاوہ نننموہیہ (پٹنہ کا ایک محلہ قدیم شہر عظیم آباد اور موجودہ بانکی پور کے درمیان) کی جامع مسجد میں شاہ محمد حسین صاحب رح، خلیفہ حضرت سید صاحب رح (ف ۱۲۷۶ھ جنھوں نے خود اپنے صرف سے اُس مسجد کی توسیع کی تھی) کا ہر ہفتہ نماز جمعہ کے بعد وعظ ہوتا۔ ان کے مرید اطراف و اکناف سے آکر جمع ہوتے۔ زنانہ مکان میں آپ کا الگ وعظ ہوتا "مقدمات سازش" کی کارروائیوں میں نننموہیہ کی مسجد کا ذکر کثرت سے آتا ہے۔ اور اس سے پتہ لگتا ہے کہ بہتیرے "رضاکار" انھیں مواعظ کی حرارت سے اپنے دلوں کی انگیٹھیاں گرم کرتے۔

یہ نظم جماعت کا مختصر خاکہ تھا۔ جو صحیح ترین معلومات کی بنیاد پر عرض کر دیا گیا۔ غیروں کی نگاہ میں اس کی کیا وقعت تھی؛ اس کا بھی مختصر بیان ملاحظہ کر لیجئے۔ گو ان کے بیانات مبالغے سے خالی نہیں۔

"سر ہربرٹ اڈوارڈس (Sir Herbert Edwards.)
جنھوں نے پہلے مقدمہ سازش (انبالہ ۱۸۶۴ء، ۱۲۸۰ھ) کی سماعت کی تھی۔ ان "خطرناک لوگوں" کے متعلق فرماتے ہیں۔

"غداری اور بغاوت کے ایک مرکزی دفتر کا وجود پٹنہ میں بیان کیا جاتا ہے ——— یہ مولوی امتیاز، علم اور اپنے شہر میں اہمیت کے مالک ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ان کے پاس خاندان کے مختلف ارکان کے متعدد وسیع مکانات بزرگوں کے مقبرے اور طالب علموں اور مریدوں کی ضیافت کے لئے ایک "قافلہ" ہے۔[1]

اسی طرح پٹنہ سشن کورٹ کے جج (۱۸۶۵ء) مسٹر اینسلی (W. Ainslie) جنھوں نے دوسرے مقدمہ سازش (پٹنہ ۱۸۶۵ء/۱۲۸۱ھ) کی سماعت کی تھی، فرماتے ہیں:-

"اس طرح پر یہ ثابت ہے کہ یہ لوگ مشرقی بنگال میں جہاد کی تبلیغ کرتے۔ اور آدمی اور رُپے اس کے لئے جمع کرتے تھے۔ وصول شدہ رقم پٹنہ جاتی اور "اشخاص" (Men.) پٹنہ ہوکر گذرتے۔ یہاں وہ عبدالرحیم [مولانا عبدالرحیم ابن مولانا فرحت حسین رح ملزم سازش انبالہ ۱۸۶۴ء] کے گھر میں ٹھہرتے، اور مولوی یحییٰ علی رح [ملزم سازش انبالہ ۱۸۶۴ء] انھیں بغاوت کی تلقین کرتے عبدالغفور [ملزم سازش انبالہ] انھیں رُپیے فراہم کرتا تھا۔ تھانیسر میں محمد جعفر [ملزم سازش انبالہ ۱۸۶۴ء] ان کا استقبال کرتا تھا اور آگے سفر کے لئے زادراہ فراہم کرتا۔ یہ ستھانہ جاتے اور وہاں باغیوں (Rebels) کے ساتھ شریک ہوجاتے، جو وہاں کافی تعداد میں تھے۔ ان کا سرغنہ احمد اللہ [مولانا احمد اللہ ملزم سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء] تھا۔ الخ (کلکتہ گزٹ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء)

یہ آخری فقرہ قصداً بڑھایا گیا ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا یحییٰ علی رح (ف ۱۲۸۴ھ/۱۸۶۸ء) اور مولانا عبدالرحیم رح (ف ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء) کی گرفتاری تک (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء)

---

(۱) ٹیلر (Taylor) کی کتاب ہندوستان میں اڑتیس سال (Thirty eight years in India) جلد ۲ ص ۵-۲۸۴ مطبوعہ لندن ۱۸۸۲ء

مولانا احمد اللہ (ف ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء) اس "کاروبار" سے بالکل الگ رہے۔ گرفتاریوں کے بعد انھوں نے اس "کام" کو اپنے ہاتھ میں لیا۔

یہ دونوں بیان ۱۸۶۴ء اور ۱۸۶۵ء کے تھے، اب ۱۸۷۱ء کی ایک تحریر کے دو ٹکڑے بھی ملاحظہ کر لیجئے۔

"...... مالدہ کا انچارج امیرالدین عبدالرحمٰن دیہاتوں میں تحریک کی تبلیغ کرتا رہا۔ اور سرحدی علاقوں کو رضاکاروں کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ و صدقات کی رقمیں بھی مجاہدین کی امداد کے لئے جاتی رہیں۔ اس طرح بنگال کے تمام علاقوں میں چندہ اور رضاکاروں کی فراہمی کے لئے شاخیں قائم ہیں۔ (انڈین مسلمانز صـ۸۲)

"پٹنہ کے حاکم [غالباً راونشا] نے لکھا تھا کہ یہ لوگ برطانوی حکومت کی سرپرستی و حمایت میں بغاوت کی تبلیغ کرتے رہے اور دیہاتوں کی اطاعت شعار آبادی کو انقلاب و آزادی کی راہ دکھاتے رہے (صـ۵۔)"

یہ ایک واقعہ ہے کہ ہنٹر کی مبالغہ آمیزیوں نے بنگال میں اس "تحریک" کو ہوا بنا دیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بنگال پر جس سفید فام صاحب قلم نے کچھ لکھا، وہ اس کا 'بوس' سے متاثر رہا۔ مردم شماری کی رپورٹیں بھی اس "روگ" سے خالی نہیں۔ سن ۱۹۰۱ء اور سن ۱۹۱۱ء کی رپورٹوں کے مقدمہ نگاروں نے 'وہابی تحریک' پر اچھی خاصی بحث کی ہے۔ اور وہ تقریباً سب کا سب علی الترتیب راونشا، او کنلے اور ہنٹر (ماہرین "وہابیات") کے بیانات سے ماخوذ ہے۔ بہرحال اندازہ کے لئے ۱۹۱۱ء مردم شماری کی

'رپورٹ' سے 'نظام عمل' کے متعلق ایک اقتباس پیش ہے۔

"اس پوری مدت (۱۸۳۱ — ۱۸۶۸ء) میں پٹنہ سازش کا مرکز تھا۔ وہابی مبلغ ہندوستان اور دوسرے قریب کے ملکوں میں اپنے مشن کی تبلیغ کر رہے تھے۔ ان کے بڑے لیڈر ولایت علی اور عنایت علی پٹنہ کے رہنے والے تھے۔ ولایت علی نے بنگال کا دورہ کیا۔ پھر بمبئی' حیدرآباد اور صوبہ جات متوسط میں گشت کرتے رہے۔ اور انھیں علاقوں کو اپنی دعوت کا مرکز قرار دیا۔ عنایت علی نے بنگال کے اضلاع مالدہ' بوگرا' راجشاہی' پٹنہ' ندیا اور فرید پور میں اپنی کوششیں صرف کیں۔ .... ولایت علی کے خلیفہ زین العابدین حیدرآبادی نے چھپرا اور سلہٹ [آسام] میں کام کیا۔ معمولی مبلغوں کا کیا ذکر' کہ ان کی تعداد بے شمار تھی۔ اس طرح ہمارا انکے مبلغ چپہ چپہ میں پھیل گئے۔ گاہے گاہے پٹنہ سے ہدایات ملتی رہتی تھیں۔ جس سے تحریک کی عملیت میں فرق نہیں آنے پاتا۔" (مردم شماری کی رپورٹ بابت سنہ ۱۹۱۱ء جلد ۵ صفحہ ۲۴۸ - ۲۴۶)۔

ان اقتباسات کا سلسلہ دراز کیا جا سکتا ہے۔ مگر ایک ہی بات کے بار بار دہرانے میں کوئی خاص فائدہ نہیں نظر آتا۔ اردو میں مولوی طفیل احمد صاحب نے اپنی کتاب (مسلمانوں کا روشن مستقبل) میں کچھ اقتباسات دئے ہیں' مگر ان کا ماخذ ہنٹر کی رسوائے عالم کتاب ہے' اور ہنٹر کا زیادہ تر بھروسا راونشا (T.E. Revenshaw) اور جیمس اوکنلے (James O'Kinely) پر ہے۔ اور ان دونوں کی تحریروں کے نمونے دئے جا چکے۔ امپیریل گزیٹیر

(بابت ضلع پٹنہ) (Imperial Gazetter.) میں بھی ہنٹر صاحب کی روح کار فرما ہے۔

فرہنگ مصطلحات

اس سلسلے کی ایک اور دلچسپ چیز کا ذکر کرنا ناظرین کی ضیافت طبع کا باعث ہوگا۔

مجاہدین اپنے خط و کتابت میں قسم قسم "سمجھی بوجھی" اصطلاحات خفیہ لغت ([illegible]) کے طور پر استعمال کرتے تھے تاکہ کراماً کاتبین کو شبہ نہ ہو۔ مگر ان اہل بکھیڑوں نے بھی آخر پتہ لگا ہی لیا۔ مجاہدین کے سب سے بڑے کرم فرما مسٹر راونشا نے اپنی یادداشت میں ان اصطلاحی لفظوں کی ایک فرہنگ دی ہے۔ جسے کچھ تفریح اور کچھ "تاریخ" کی خدمت کے خیال سے ہم یہاں درج کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں۔ البتہ اتنا ملحوظ رہے کہ ان کا حرف بہ حرف صحیح ہونا یقینی نہیں، کہ یہ لوگ مبالغہ بہت کرتے ہیں۔

جہادی، خدمت گار، بیوپاری مسافر، سانڈ۔	جنگ کے رنگروٹ
قافلہ	رنگروٹوں کا جتھا
بڑا گودام	ملکا۔ ستھانہ
چھوٹا گودام	پٹنہ
مسئلہ علم	جنگ
مختار	اللہ
سفید تبشیر	ہنڈی

کتابوں کی قیمت — نقد رقمیں

قافلہ — صادق پور کے مولویوں کے مکان کا احاطہ اور خاص کر وہ مکان جس میں مولوی ولایت علی اور عبدالرحیم رہا کرتے تھے۔ (کلکتہ گزٹ :- ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء)

۱۸۷۱ء کے مقدمہ سازش میں عبدالغفور (ملزم و سزا یافتہ مقدمہ سازش انبالہ ۱۸۶۴ء جو بعد میں وعدہ معاف گواہ بن گیا تھا، اور اس کی سزا حبس دوام بعبور دریائے شور سے گھٹا کر دس سال کر دی گئی تھی) نے بھی اپنی "شہادت" کے سلسلے میں بعض "مصطلحات" کا ذکر کیا ہے۔ جو اُسی کے لفظوں میں درج کئے جاتے ہیں :- (وکیل صفائی مسٹر Ingram. کی جرح کے جواب میں)۔

"جوتوں (Shoes) سے 'روپے' مراد ہیں، اسی طرح کتابوں سے بھی۔ مجھے نہیں معلوم کہ کسی شہر کا بھی کوئی فرضی نام تھا۔ گلشن اس جگہ کا نام ہے، جہاں عبداللہ [مولانا عبداللہ، امیر المجاہدین] رہتے تھے۔ یحییٰ علی [مولانا یحییٰ علی، ملزم سازش انبالہ] نے مجھ سے بیان کیا کہ بابو صاحب سے مراد عبداللہ ہیں .... جوتوں سے آدمی بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ موقع کے لحاظ سے کتابوں سے آدمی اور روپے دونوں مراد ہوتے تھے۔ نوکروں سے مجاہدین بھی مراد ہوتے تھے۔" (وہابی ٹرائل :- ص ۶۲)

راونشا کے نقش قدم پر ایک دوسرے لال بجھکڑ نے بھی "فرہنگ مصطلحات" میں کچھ قیمتی اضافے کئے ہیں، ناقدری ہوگی، اگر ان کی تحقیقات سے ناظرین کو محروم رکھا جائے۔ یہ صاحب مسٹر اینسلی (W. Ainslie) پٹنہ کے سشن جج

ہیں، جنہوں نے مقدمہ سازش، پٹنہ (۱۸۶۵ء) کی دوسری سماعت کی تھی۔ (پہلی سماعت خود مسٹر راونشا نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی حیثیت سے کی تھی) یہ اپنے "فیصلے" کے آغاز ہی میں ترتیب ذیل سے 'جعلی' اور 'اصلی' ناموں کی فہرست دیتا ہے اور اس نے ہر نام کے ساتھ "ثبوت" کے گواہ یا گواہوں کے نام بھی دئے ہیں، جنہیں ہم طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتے ہیں:-

اصلی نام	جعلی نام
یحییٰ علی	محی الدین
فیاض علی[1]	بشیر الدین
مولوی عبداللہ	بابو صاحب
"	بابو جان - میاں جان
محمد شفیع	شجاعت علی

---

(۱) مولانا فیاض علی (مولود تقریباً ۱۲۳۵ھ) مولانا احمد اللہ (ف ۱۲۹۸ھ) اور مولانا یحییٰ علی (ف ۱۲۸۴ھ) کے سگے بھائی تھے، مولانا احمد اللہ سے چھوٹے اور مولانا یحییٰ علی سے بڑے۔ مولانا ولایت علیؒ سے بیعت تھے اور ہمیشہ ان کے ساتھ رہے۔ پھر آخر میں سوات بنیر کو اپنا مستقر بنا لیا۔ اور وہیں غربت و ہجرت کے عالم میں وفات پائی، کوشش کے باوجود ٹھیک سنِ وفات نہ معلوم ہو سکا۔ راونشا نے آپ کا نام ان لوگوں کی فہرست میں دیا ہے، جو ۱۸۶۵ء/۱۲۸۱ھ میں مولوی عبداللہ (ف ۱۳۰۲ھ) کے ساتھ ملکا ستھانہ کے جہادیوں میں شامل تھے۔

اصلی نام	جعلی نام
عبدالرحیم	رحیم بیگ
محمد جعفر	پیروخاں۔ پیر و خلیفہ
عبدالقادر	غلام قادر
احمد اللہ	احمد علی
محمد احسان (۱)	روح اللہ
عبدالرحیم کا گھر	قافلہ، قافلہ گاہ
ملکا۔ ستھانہ	بڑا گودام
پٹنہ	چھوٹا گودام

(۱) یہ لوگ کہتے ہیں کہ مولانا یحییٰ علی کے صاحبزادے کا نام احسان تھا۔ یہ غلط ہے ان کا نام محمد عیسیٰ تھا، جو بعد میں شمس العلماء مولانا امجد علی ام، اے۔ کے نام سے مشہور ہوئے ان پر وارنٹ تھا، اس لئے نام بدل لیا تھا۔ یہ بھی غلط ہے کہ ان کے کوئی صاحبزادے امبیلا میں شہید ہوئے۔

چھٹا باب

سازش کا الزام اور مقدمے

یہ پہلے کہیں گزر چکا ہے کہ کمپنی کی حکومت نے پہلے پہل "مجاہدین" کے آنے جانے میں کوئی روک ٹوک نہیں کی۔ "ہنٹر ایک جگہ لکھتا ہے کہ بعض کارخانوں کے مسلمان ملازم اپنے انگریز مالکوں سے چھٹی لے کر جہاد کو جایا کرتے تھے (صلا) سرسید رحمہ نے ایک اور دلچسپ واقعے کا ذکر کیا ہے:

"دہلی کے ایک ہندو مہاجن نے جس کے پاس "جہادیوں" کی امدادی رقمیں جمع تھیں۔ کچھ غبن کیا۔ تو مولانا شاہ محمد اسحاق رحمہ (ف ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ در مکہ معظمہ۔ ہجرت از ہندوستان ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲) نے مسٹر ولیم فریزر (William Fraser) کمشنر دہلی کے اجلاس میں نالش کی اور مدعی کے حق میں ڈگری ہوئی۔ وصول شدہ رقم پھر دوسرے ذریعہ سے سرحد کو بھیجی گئی۔ اس مقدمے کا اپیل صدر کورٹ الہ آباد میں ہوا، وہاں بھی عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا۔"(۱)

---

(۱) ہنٹر کی کتاب (ہندوستانی مسلمان) کا جواب از سرسید رحمہ (ص ۲۳-۲۴) (Sir. Saiyed Ahmed on Dr. Hunter's Our Indian Mussalmans) مطبوعہ لندن ۱۸۷۲ء

شاہ محمد اسحاق صاحب رح (ف سنہ ۱۲۶۲ھ) سنہ ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء) کو مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے۔ اس لئے یہ واقعی طور پر سنہ ۱۸۴۲ء سے پہلے کا ہے ـــــ کہنا یہ ہے اور صاف صاف کہ جب تک "مجاہدین" سکھوں سے الجھے رہے، کمپنی کی حکومت خاموش اور غیر جانبدار[1] رہی۔ "سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے" پر ترکوں نے نجد میں عمل کیا تھا (ملاحظہ ہو:۔ اس رسالے کا پہلا باب) اُن کے اُستادوں نے اس فارمولے پر یہاں عمل کیا مقصود یہ تھا کہ مجاہدین اور سکھوں کی آویزش میں سرکار عالی کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو رہے گا لیکن جونہی پنجاب کا الحاق عمل میں آیا (سنہ ۱۲۶۵ھ / ۱۸۴۹ء) کمپنی اور سرکار کی نظر میں مجاہدین سے برا کوئی نہیں تھا۔ پھر کوئی کسر نہیں تھی، جو اُن کے کچلنے کے لئے اٹھا رکھی گئی ہو۔ اس سلسلے میں حکومت نے جو تعزیری کارروائیاں کیں، ان میں مقدمات سازش کا نام سرعنوان آتا ہے۔ یہ مقدمے سنہ ۱۸۶۴ء / ۱۲۸۰ھ سے لے کر سنہ ۱۸۷۱ء / ۱۲۸۷ھ تک ملک کے مختلف حصوں میں دائر کئے گئے۔ زیر نظر سطروں میں انہیں "مقدمات" کا اجمالی ذکر کیا جاتا ہے۔

پہلا مقدمہ سازش:۔ انبالہ سنہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء

یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ بدنام "وہابی" مبلغ

---

(۱) موجودہ برطانوی ہند کے مشہور تاریخ دان ڈاکٹر شفاعت احمد خاں، اپنے ایک خطبے میں (جو انھوں نے جون سنہ ۱۹۳۹ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ کی صدسالہ برسی کے موقع پر تحریر فرمایا تھا) لکھتے ہیں، کہ سرکار کمپنی کی یہ محتاط (Scrupulous) "غیر جانبدارانہ روش" اصولی طور پر (Technically) بالکل درست تھی (روزنامہ لیڈر Leader. الہ آباد مورخہ ۳ جون سنہ ۱۹۳۹ء)

اپنا "کام" اس طرح انجام دیتے تھے کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ مگر ۱۸۵۸ء کی فوجی مہم نے اس راز کا انکشاف کیا کہ سرحدی مقتونوں[1] میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد ہے، جو رنگ روپ میں پوربیے (بنگال و بہار کے باشندے) معلوم ہوتے ہیں[2]۔

۱۸۶۳ء ۱۲۸۰ھ کی مہم امبیلا کے بعد سرکار برطانیہ کو اور کد ہوئی۔ گو اس سے پہلے بھی، بلکہ الحاق پنجاب (۱۸۴۹ء ۱۲۶۵ھ) کے بعد ہی سے حکومت کی نگاہ ان لوگوں پر تھی[3]۔ مگر اس "سازش" کا حقیقی انکشاف ایک ولایتی افغان غزن خان نامی نے کیا۔ روانشا صاحب فرماتے ہیں (کلکتہ گزٹ ۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء) اور ہنٹر صاحب بھی ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں (انڈین مسلمانز ۔ صفحہ ۸۷-۸۴) مئی ۱۸۶۳ء کو چار بنگالی انبالہ جاتے ہوئے ضلع کرنال میں ایک سوار پولیس سرجنٹ غزن کے ہاتھ گرفتار ہوئے۔ غزن خاں یوسف زئی علاقے کا

---

(۱) شہداد کی لاشوں کے علاوہ گھر کے بعض اہل عناد نے بھی خبر رسانی کی اور اسرار سربستہ کے انکشاف اور تحلیل میں حصہ لیا۔ نیز شہر کے بعض رئیسوں نے بھی خیر خواہی کا حق ادا کیا۔ خاقانی ہند حکیم عبدالحمید عظیم آبادی (۱۲۳۵ھ - ۱۳۲۳ھ) خلف مولانا احمد اللہ نے اپنی مثنوی شہر آشوب میں "گھر کے بھیدیوں" کا ذکر کیا ہے۔ اس کے دو شعر یہ ہیں۔

متفق گشتہ جمعے از حساد ٭ دل شان پر ز کینہ و شر و فساد ٭ فرقہ طامعان اہل غرض ٭ زادہم اللہ فی القلوب مرض الخ

(۲) راونشا نے ۱۸۵۸ء (۱۲۷۵ھ) میں راولپنڈی کے ایک دستے (4th Regiment of Native Infantry) کے اندر "جہادی ساز و باز" کا ذکر کیا ہے۔ نیز اسی کے بیان کے مطابق اس رجمنٹ کے منشی محمد ولی پر مقدمہ چلایا گیا اور وہ سزایاب ہوا (۱۲ مئی ۱۸۵۳ء / شعبان ۱۲۷۰ھ)۔ اس سلسلے میں پٹنہ کے مولوی کا نام بھی بار بار فراہمی رسد کے سلسلے میں آیا (کلکتہ گزٹ ۔ ۲۰ ستمبر ۱۸۶۵ء)

(۳) انڈین مسلمانز صفحہ ۸۵

باشندہ ہے ۔ .... اس نے چاروں بنگالیوں کو شکل وشباہت میں ان لوگوں کے مشابہ پایا، جو برطانوی فوج کے ہاتھوں ستھانہ والی لڑائی میں گرفتار ہوئے تھے۔ یہ بنگالی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کئے گئے، لیکن بعد میں رہا کر دئے گئے۔ ....
غزن خان نے اپنے بیٹے کو ملکا بھیجا اور یہ دریافت کرایا کہ پہاڑ کے جہادیوں کی اشخاص اور اسلحہ سے مدد مولوی جعفر تھانیسری کے ذریعہ ہوتی ہے۔ یہ اطلاع انبالہ کے ضلع سپرنٹنڈنٹ پولیس کیپٹن پارسن (Q.D. Parson.) کو دی گئی جنھوں نے تفتیش شروع کی۔ الخ

یہ روایت اور اس مقدمے کی اکثر تفصیلات راونشا اور اس کے شاگرد رشید ہنٹر نے تقریباً ٹھیک ٹھیک بیان کی ہیں۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری نے اپنی کتاب تواریخ عجیب میں اس مقدمے کی پوری روداد قلم بند کردی ہے جو اپنے بیان کی سادگی اور پُرکاری کے لحاظ سے پڑھنے کے قابل ہے۔ اس لئے یہاں تفصیل میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ البتہ سازش کے انکشاف سے متعلق مولوی محمد جعفر صاحب کی تحریر بھی پیش کر دی جاتی ہے تاکہ سرکاری لال بجھکڑوں اور ایک مبتلائے محن کے بیانات کا مقابلہ کرکے "بین السطور" مفہوم اخذ کر لیا جائے۔

"....... ایسے نازک وقت اور گھما گھمی کے ایام میں [یعنی امبیلا کی مہم میں سرکاری فوج کی تباہی کے دنوں میں] ۱۱ر ڈسمبر ۱۸۶۳ء مطابق ۲۸ جمادی الثانی ۱۲۸۰ھ ہجری کو ایک سوار پولیس متعینہ ہو کی پانی پت ضلع کرنال مسمی غزن خان نام ایک ولایتی افغان نے کسی ذریعہ سے میرے حال سے واقف ہو کر اور

ایسے وقت میں اپنی دینوی بھلائی کا موقع جان کر ایک بڑی لمبی چوڑی کیفیت خیر خواہانہ [؟] کے ساتھ بحضور صاحب ڈپٹی کمشنر کرنال کے حاضر ہو کر یہ مخبری کی کہ یہ جنگ جو ہندوستانی "قافلہ" [فافہم] والوں کے ساتھ سرحد پر ہو رہا ہے [کذا] ان لوگوں کو محمد جعفر نمبردار تھانیسر روپیہ اور آدمیوں سے مدد دیتا ہے۔ خیر ڈپٹی کمشنر کرنال نے یہ داستان سن کر بذریعہ تار برقی ضلع انبالہ کو کہ جس کی حدود اراضی کے اندر ہمارا شہر واقع ہے خبر بھیج دی" (صـ۳ـ)......

جب داستان چھڑ گئی ہے۔ تو اس روداد الم کا ایک دلچسپ باب اور ملاحظہ کر لیجئے:۔

"ادھر مخبر مخبری کر کے نکلا تھا کہ اُدھر ہمارے ایک دوست ڈپٹی کمشنر صاحب کرنال کی ملاقات کو ان کے بنگلے پر پہنچے۔ جن سے عند التذکرہ صاحب موصوف نے ذکر اس مخبری کا بھی کیا۔ جب بعد انفراغ ملاقات یہ صاحب اپنے ڈیرے کو تشریف لائے۔ تو انھوں نے مسمی کاوا نام ایک اپنے نوکر سے جو میرا ہمسایہ تھا' بطور افسوس حال اس مخبری کا بیان کیا۔ کاوا مذکور یہ حال سن کر اسی وقت اس کی خبر کرنے کو تھانیسر دوڑ پڑا لیکن خوبی تقدیر سے کچھ زیادہ رات گئے یہ شخص تھانیسر میں پہنچا اور سب سے پہلے میرے مکان پر آیا۔ مگر میں اُس وقت گھر کے اندر سو رہا تھا۔ وہ اس وقت رات کو ہمارا دروازہ بند اور ہم کو سوتے دیکھ کر ایسے آرام کے وقت ہم کو تکلیف دینا مناسب نہ جان کر اپنے دل میں سوچا کہ فجر کو خبر کر دوں گا۔ اِدھر تقدیر اس کو تو دروازے پر سے ہٹا لے گئی۔ اب اُدھر

انبالہ کی کیفیت سنئے، جب انبالہ میں یہ تار خبر پہنچی تو ایک وارنٹ میری خانہ تلاشی کا جاری ہوا۔ اور کپتان پارسن صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک جماعت کثیر پولیس کی لے کر راتوں رات میرے مکان پر پہنچے"..... (ص۳۴)

پھر کیا ہوا؟ اس کی تفصیلی سرگذشت تواریخ عجیب سے معلوم ہوگی۔ ہنٹر نے بھی اپنی کتاب میں اس مقدمے کی تفصیلات دی ہیں۔ اس لئے ہم یہاں اس پہلے مقدمہ سازش کی مفصل کارروائی کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف مختصر اور ضروری باتیں ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس مقدمہ میں کل گیارہ ملزم[1] تھے، جن کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مولانا یحیٰی علی جعفری صادق پوری ــــ عمر ۴۲ سال۔

راونشا نے ان کا عہدہ "امیر الواعظین" بتایا ہے۔ اصل میں یہ نظم جماعت کے ذمہ دار تھے۔ انھیں "سرغنہ" کے لقب سے بھی یاد کیا گیا ہے۔ اور بجا طور پہ۔

(۲) مولانا عبدالرحیم صادق پوری۔ عمر ۲۸ سال تقریباً سولہ سال جزائر انڈمان میں رہ کر ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴ء) میں رہا ہوئے اور بڑی عمر پاکر ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۳ء) میں وفات پائی۔

(۳) منشی محمد جعفر تھانیسری۔ عمر ۲۸ سال، ساکن تھانیسر ضلع انبالہ تمام اسیران بلا میں یہ سب سے زیادہ ہوشیار اور معاملہ فہم تھے۔ پورے مقدمے کے دوران میں انھوں نے کوئی وکیل نہیں مقرر کیا۔ اور بڑی قابلیت کے ساتھ

---

(۱) گرفتاری تو بہتوں کی ہوئی۔ مگر ملزم صرف گیارہ آدمی قرار دئے گئے۔ کچھ لے دے کر چھوڑ دئے گئے۔ اور بعضوں نے سرکاری گواہ بن کر رستگاری حاصل کی۔

گواہوں پر جرح کی۔ مولوی عبدالرحیم صاحب کے ساتھ یہ بھی رہا ہوئے۔ اور ایک عرصہ آزاد رہ کر ۱۹۰۵ء میں رحلت کی ــــ سید صاحب رح کے ماننے والوں کی جماعت میں یہی ایک ذمہ دار آدمی ایسے ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں شرکت کی تھی (ہنٹر، صـ ۸۹)

واللہ اعلم بالصواب۔

(۴) میاں عبدالغفار۔ ساکن (پٹنہ)۔ راونشا نے ان کا نام "عبدالغفور ولد منگو قوم کوری عمر ۲۵ سال۔ ملازم ملزم ۸" [یعنی مولانا عبدالرحیم] لکھا ہے۔ وہ کیا جانتے کہ روساء صادق پور اس "ملازم" کا "آقا" سے بڑھ کر احترام کرتے تھے۔ یہ بزرگ اُمّی محض تھے۔ مولانا ولایت علی رح (ف ۱۲۶۹ھ) کے خادم تھے۔ مولانا فرحت حسین رح (ف ۱۲۷۴ھ) اور مولانا یحییٰ علی رح (ف ۱۲۸۴ھ) سے تربیت حاصل کی۔ مولوی عبدالرحیم صاحب رح کے ساتھ انڈمان سے واپس ہوئے۔ کوئی تیس برس ہوئے کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ خود مولانا عبدالرحیم اور تمام متاخرین علمائے صادق پور انہیں سیدی میاں عبدالغفار کہا کرتے۔ صحیح تاریخ وفات نہ معلوم ہو سکی۔ (ف تقریباً ۱۳۳۳ھ)

(۵) قاضی میاں جان، ساکن کمرکلی (Commercolly) ضلع پبنہ (بنگال)۔ عمر ۶۰ سال۔ انبالہ۔ جیل ہی میں وفات پائی۔ انبالہ کے جج کے بیان کے مطابق مراسلات کا سب سے زیادہ با غیانہ حصہ انہیں کے گھر پر پایا گیا۔ (ہنٹر صـ ۹۰)

یہ پانچ بزرگ تمام ابتلا و آزمائش میں ثابت قدم رہے اور اپنی ثابت قدمی

سے عہد صحابہ کی یاد تازہ کردی۔ (اسیران ابتلا کے آلام و مصائب کا ذکر آخر میں آئے گا)

(۶) محمد شفیع انبالوی۔ یہ پیشے کے اعتبار سے قصاب تھا اور فوجی چھاؤنیوں میں گوشت "سپلائی" کیا کرتا تھا۔ اور لاکھوں روپے کے کاروبار کا مالک تھا[1] اس کا مرکز راولپنڈی تھا، اور مختلف چھاؤنیوں میں اس کے گماشتے مقرر تھے اور ستھانہ کی جہادی چھاؤنی کو روپے زیادہ تر اسی کے ذریعے جاتے تھے۔

اسی لئے پہلے پہل مولانا یحییٰ علیؒ اور منشی محمد جعفرؒ صاحب کے ساتھ اسے بھی پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ بعد میں ان تینوں کی سزا بھی پنجاب جوڈیشل کمشنر نے "حبس دوام بعبور دریائے شور" سے بدل دی[2] (۲۴ اگست ۱۸۶۴ء) لیکن اول دن ہی سے اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ بعد میں دوسروں کے ساتھ یہ بھی وعدہ معاف گواہ بن گیا تھا۔ ۱۸۶۵ء کے مقدمہ سازش پٹنہ اور ۱۸۷۱ء

---

(۱) ایک لال مجھ کڑ لکھتے ہیں کہ اس کا خاندان وارن ہیسٹنگز (۱۷۸۵-۱۷۷۲) کے زمانے سے گورنمنٹ چھاؤنیوں کی ٹھیکہ داری کرتا تھا۔ (جرنل بمبئی رائل ایشیاٹک سوسائٹی جلد ۱۴ صفحہ ۳۷۲)

(۲) اسیران بلا کے کرم فرمائے خصوصی جناب ہنٹر (علیہ ما علیہ) نے سزا کی تبدیلی کی عجیب و غریب توجیہ کی ہے۔
"...... ان کا ایمان بہت قوی تھا ...... اور وہ پھانسی کی سزاؤں کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اسی لئے برطانوی حکام نے ان سے یہ بجا انتقام لیا کہ ان کے بڑے سے بڑے باغی کو بھی درجہ شہادت حاصل کرنے کا موقع نہیں دیا" (صفحہ ۹۸)۔

سبحان اللہ! ہائے ظالم!! تو جہاد و جلاوطنی، قید و مشقت اور سرگردانی و شوق شہادت کی لذت اور اجر کا حال کیا جانے؟

ارے!! وہاں تو نیتوں کا اجر بھی بے حساب ملا کرتا ہے۔

تو و طوبیٰ و ما و قامت یار
فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

کے آخری مقدمہ سازش (پٹنہ) میں اس نے سرکاری گواہ کی حیثیت سے شہادت دی — کل دو برس یہ قید رہا، لیکن سرکار نے اس کی جائداد ضبط ہی کر لی اور واپس نہ کی۔ مولوی محمد جعفر صاحب کا بیان ہے کہ اس کی جائداد پچاس لاکھ کی مالیت کی ہوگی۔ (تواریخ عجیب صفحہ ۹۴)۔ ہنٹر نے اس کی بہت برائی کی ہے۔ اور جی بھر کر گالیاں دی ہیں، یہاں تک کہ سود خواری کا الزام بھی عائد کیا ہے (صفحہ ۹۶) جو بالکل ناروا ہے۔ اور گو محمد شفیع نے ایک مخلص مسلمان کی حیثیت سے اعلیٰ کردار کا ثبوت نہیں دیا، پھر بھی حق و انصاف کی خاطر ہنٹر کے اس ناروا اتہام کی تردید ضروری معلوم ہوئی۔

(۷) عبدالکریم انبالوی۔ عمر ۳۵ سال۔ یہ محمد شفیع کا مختار تھا، بعد میں اس کا بھانجی داماد بھی ہو گیا تھا۔ محمد شفیع کی طرح اس کے قدم میں بھی شروع ہی سے لغزش تھی۔ یہ بھی محمد شفیع کے ساتھ بعد میں سرکاری گواہ بن گیا تھا — یہ صرف ڈیڑھ دو سال قید میں رہا۔

(۸) عبدالغفور ولد شاہ علی خان ساکن ضلع شاہ آباد۔ بہار [ہزاری باغ بہار۔ حسب روایت مولوی عبدالرحیم صاحب] — عمر ۲۵ سال۔ یہ تھانیسر میں مولوی محمد جعفر صاحب کے ہاں مقیم تھا۔ اصل میں یہ الٰہی بخش (ملزم ۱۱) کا ملازم تھا۔ پہلے عبور دریائے شور کی سزا ہوئی۔ پھر دس سال رہ گئی۔ مقدمہ سازش پٹنہ (۱۸۷۱ء) میں یہ بھی سرکاری گواہ تھا۔ ہنٹر اسے عبدالغفار کہتا ہے، جو صحیح نہیں۔

(۹) حسینی ولد محمد بخش۔ عمر ۲۵ سال، تھانیسر۔ یہ مولانا عنایت علیؒ کی زندگی میں شریک جہاد رہ چکا تھا، بعد میں جماعت کے کاموں میں مولوی محمد جعفر صاحب کا معاون ہو گیا تھا۔ مقدمہ سازش، پٹنہ (۱۸۷۱ء) میں سرکاری گواہ کی حیثیت سے اس کی شہادت ہوئی تھی۔ کُل سات برس یہ قید رہا۔

(۱۰) حسینی ولد میکھو ساکن پٹنہ ــ عمر ۳۵ سال۔ یہ الٰہی بخش، ملزم نمبر ۱۱ کا ملازم تھا۔ یہ دس برس قید رہا۔ ۱۸۷۱ء کے مشہور مقدمے میں اس کی بھی شہادت ہوئی تھی۔

(۱۱) الٰہی بخش ولد کریم بخش عمر ۲۴ سال۔ یہ مولانا احمد اللہ صادق پوری (ملزم مقدمہ سازش پٹنہ، ۱۸۶۵ء) کا مختار تھا۔ اور ارسال زر کا زیادہ تر کام اسی کے واسطے سے ہوتا تھا۔ اس کا خود اپنا کاروبار بھی اچھا خاصا تھا۔ حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا ہوئی تھی۔ پھر دوسرے مقدمے (۱۸۶۵ء) میں سرکاری گواہ کی حیثیت سے اس کی شہادت ہوئی۔ اور معاف کر دیا گیا۔

ان اسیران بلا میں صرف مقدم الذکر پانچ[1] حضرات اخیر تک ثابت قدم رہے۔ جن میں سے ایک (قاضی میاں جان) نے سزا یابی کے بعد انبالہ جیل ہی میں وفات پائی (۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵ء) اور وہ جوان سب میں ممتاز اور باخدا تھا، دو برس

---

(۱) ہنٹر نے ایک جگہ لکھا ہے کہ "[مولانا] یحییٰ علی کے مریدوں میں کسی نے ان کے خلاف شہادت نہیں دی" (ص ۹۲)۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن امیر خان کے مقدمے (پٹنہ، ۱۸۷۱ء) میں بہتوں نے شہادتیں دیں" خواہ جس طرح بھی انھیں دبا دھمکا کر تیار کیا گیا ہو۔ ۱۸۷۱ء کے مقدمے کے متعدد گواہوں نے عدالت میں یہ بیان کیا کہ انھیں فلاں ...... صاحب نے شہادت پر آمادہ کیا۔

انڈمان میں رہ کر سفر آخرت کی راہ لی (سنہ ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء)۔ میری مراد جناب مولانا یحییٰ علی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ہے، جو اپنے تقویٰ اور اخلاص و جہاد کے لحاظ سے صحابہ و تابعین کے عہد کا نمونہ تھے۔ باقی تین بزرگ زیادہ سخت جان نکلے۔ سیدی میاں عبدالغفار (ف تقریباً ۱۳۳۳ھ) مولانا عبدالرحیم (ف ۱۳۴۱ھ) اور منشی محمد جعفر صاحب تھانیسری (ف ۱۹۰۵ء) سنہ ۱۸۸۳ء/ ۱۳۰۰ھ میں انڈمان سے رہا ہو کر وطن واپس آ گئے۔ اور یہی وہ بزرگ ہیں، جن کی زبانی داستان قفس اڑتی ہوئی کچھ ہم نا آشنایان راہ و رسم منزل تک پہنچی ہے۔ اس ابتلاء و آزمائش کی داستان کا خلاصہ "اسیران بلا کے مصائب" کے ضمن میں عرض کیا جائے گا۔ سردست ہم اس "سازش" کے "سرغنہ" اور عام اصطلاح میں امیر جماعت کے متعلق سر ہربرٹ ایڈورڈس (Sir. Herbert. Edwards.) سشن جج انبالہ کے تاثرات یادگار کس پیش کر دینا چاہتے ہیں:-

یہ ثابت ہو گیا کہ یحییٰ علی اس بغاوت کے سرچشمہ تھے۔ وہ ایک مذہبی واعظ تھے، جو اپنی پٹنہ کی مسجد سے حکومت کے خلاف جہاد و بغاوت کی تبلیغ کیا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے ماتحت فراہمی سرمایہ اور دعوت جہاد کے لئے واعظوں کا ایک جال پھیلا رکھا تھا۔ اپنے ہزاروں ہم وطنوں کو بغاوت کی ترغیب دی اور اپنی سازشوں سے حکومت کو سرحدی علاقوں پر خطرناک لڑائیوں میں شریک ہونے پر مجبور کیا۔

وہ مشہور عالم ہیں۔ ان کے متعلق عدم واقفیت کا عذر بھی نہیں پیش کیا

جا سکتا۔ انھوں نے جو کچھ کیا سوچ سمجھ کر اور عزم راسخ کے ساتھ کیا۔ ان کا تعلق ایک موروثی باغی اور متعصب خاندان سے ہے۔ (He Belongs to a heridatory disloyal and fanatical family.) [ہنٹر۔ صفحہ ۹۳-۹۴]

یہ ایک انگریز جج کے الفاظ ہیں۔ اس سے بڑھ کر کسی مجرم کی ستائش کیا ہوسکتی ہے؟ اور یہی بدنام وہابی ہیں اور ان کی یہی مذہبی تحریک ہے جسے بعض مسلمانوں جیسا نام رکھنے والے مصنف و مورخ اس طرح یاد کرتے ہیں جیسے چوروں اور ڈاکوؤں کی کسی جماعت کا ذکر ہو۔ ؎

'تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو'

(ملاحظہ ہو سید محمد لطیف صاحب کی (History of Punjab.

دوسرا مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء

انبالہ کے مقدمے کے بعد حکومت اور اس کے ہوا خواہوں کو اس "جماعت" سے اور کد ہوگئی۔ اور یاروں نے باقی ماندہ ممتاز اشخاص سے انتقام لینے کی فکر شروع کر دی۔ اس انتقامی کارروائیوں کا پہلا شکار۔ مولانا احمد اللہ (مولود ۱۲۲۳ھ) خلیفہ حضرت سید صاحب رح (ش ۱۲۴۶ھ) کو بنایا گیا۔ مولانا احمد اللہ خلف مولوی الٰہی بخش صاحب جعفری (ف ۱۲۷۵ھ) اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے تھے۔ اس لئے عظیم آباد کے ممتاز رئیسوں میں ان کا شمار تھا اور سرکاری حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی عزت و وقعت کا یہ عالم تھا کہ جب ۱۸۵۷ء میں

مسٹر ولیم ٹیلر کمشنر پٹنہ نے احتیاطی تدبیر کے طور پر انھیں بے قصور گرفتار کر کے حراست میں رکھا(۱) تو وہ معطل کر دیا گیا(۲) لیکن یہ ٹیلر پٹنہ ہی میں وکالت کرنے لگا اور موقع کی تاک میں لگا رہا۔ جب انبالہ کا مقدمہ شروع ہوا تو پھر "حریفوں"(۳) کی بن آئی اور ٹیلر نے آسمان زمین ایک کر دیا۔ اور حکومت نے مولانا احمد اللہ کو گرفتار کر کے ان پر الگ مقدمہ چلایا (۱۸۶۵ء)۔

یہ مقدمہ پہلے مسٹر منرو (T. Munro) اسسٹنٹ مجسٹریٹ کے اجلاس میں پیش ہوا۔ پھر مسٹر اینسلی (Ainslie) سیشن جج کے اجلاس میں سماعت ہوئی۔ دونوں اجلاسوں میں سزائے موت کا حکم ہوا۔ پھر کلکتہ ہائی کورٹ میں اپیل ہوئی تو سزائے موت حبس دوام سے بدل گئی۔ انڈمان

---

(۱) Thirty Eight Years in India. از W. Taylor. جلد دوم صفحہ ۲۲۲-۲۴۴۔

(۲) مولانا احمد اللہ کے ساتھ ان کے ماموں شاہ محمد حسین صاحب مرحوم (وفات ۱۸۶۸ء) خلیفہ حضرت سید صاحب اور مولوی واعظ الحق صاحب ساکن گورہٹہ پٹنہ بھی ۱۸۵۷ء میں نظر بند کر دیے گئے تھے۔ یہ لوگ تین مہینے نظر بندی کی حالت میں رہے۔ پھر یہ لوگ رہا ہوئے اور ٹیلر معتوب ہو کر معزول کیا گیا۔ (تذکرہ صادقہ صفحہ ۷)

(۳) مسٹر ولیم ٹیلر کی معزولی کے سلسلے میں مسٹر ا (Samuels) ریونیو کمشنر پٹنہ ڈویژن گورنمنٹ بنگال کے درمیان جو مراسلت ہوئی تھی اس کی ایک مطبوعہ کاپی (مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۸ء) راقم کی نظر سے گذری ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ٹیلر نے بعض مقامی مسلمان رئیسوں (جن کی اولاد اس وقت پٹنہ اور اس کے قرب و جوار میں موجود ہے) کی نظر بندی پر مولانا احمد اللہ کو گرفتار کیا تھا۔ ("مراسلات مذکورہ" صفحہ ۱۵-۱۹)

بھیجے گئے۔ اور وہاں بھی سرکار کی خاص نوازش قائم رہی۔ اسی غربت اور جلاوطنی کے عالم میں تقریباً سوا برس زندگی گذار کر ۶۲ سال کی عمر میں جان جان آفریں کے سپرد کی (ذی الحجہ ۱۲۹۸ھ)

یہ دوسرا مقدمہ سازش بعض حیثیتوں سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔

(۱) انبالہ والے مقدمے کے "ماخوذین" کا جرم واضح اور ثابت تھا مگر مولانا احمد اللہ کے خلاف کوئی معقول وجہ موجود نہیں تھی۔ ۱۸۶۴ء (۱۲۸۰ھ) تک۔ تو وہ ان معاملات سے گویا الگ تھے ہی۔ آخری سال بھر کے واقعات سے متعلق بھی کوئی قابل وثوق شہادت موجود نہیں تھی۔ ان کے "مقدمے" کی ساری کارروائی اور فیصلے راقم کی نظر سے گذرے ہیں۔ پورا مقدمہ "بنایا ہوا" معلوم ہوتا ہے۔ خود حکام کو اس بات کا اقرار ہے کہ الٰہی بخش ملزم انبالہ کی شہادت کے بغیر مولانا احمد اللہ کی سزایابی مشکل تھی(۱)۔ اور الٰہی بخش ۱۸۶۴ء میں گرفتار ہوچکا تھا۔ اور اس کی "مشروط معافی" مولانا کی سزایابی کے بعد ہوئی ہے۔

(۲) دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس مقدمے کے مجسٹریٹ مسٹر (T.E. Revenshaw.) پہلے شخص ہیں جنہوں نے باضابطہ مجاہدین کے "اعمال" اور سرگرمیوں کا جائزہ لیا۔ اور سرکاری نقطہ نگاہ سے ایک نہایت "قیمتی یادداشت"(۲) (Memorandum.) حکومت کو بھیجی جس میں بنگال اور بہار کے تمام مبلغوں اور کارکنوں کی ضلع وار فہرست دی گئی ہے اور

---

(۱) مراسلہ [illegible] G. F. Cockburn، کمشنر پٹنہ ڈویژن بنام سکریٹری گورنمنٹ بنگال۔ مورخہ ۱۳ مئی ۱۸۶۵ء

(۲) ضمیمہ کلکتہ گزٹ ... ستمبر ۱۸۶۵ء)

Elahi Bux is the sole (witness on whome the prosecution depends.

اسی فہرست کے بموجب تقریباً دس سال تک یہ غریب تنگ کیے جاتے رہے۔ اور اسی کی وجہ سے بنگال کے کتنے خوش حال خاندان تباہ و برباد کر دیے گئے۔ مشہور بنگالی قانون دان سر عبدالرحیم (موجودہ اسپیکر مرکزی اسمبلی) نے ایک موقع پر یہ حقیقت ان لفظوں میں ظاہر کی تھی۔

"۱۸۷۰ء میں حکومت نے وہابی تحریک کے سبب سے جو محض وہم و گمان پر مبنی تھی، بنگال کے مسلمان جاگیرداروں اور زمینداروں کی تمام املاک جو رقبہ میں پورے صوبہ بنگال کی چوتھائی تھی، ضبط کر لی۔ جس سے ہزاروں مسلمان خاندان برباد اور پریشان ہو گئے۔ (خطبہ صدارت مسلم لیگ ۱۹۲۵ء)

ممکن ہے، یہ بیان کچھ مبالغہ آمیز ہو، پھر بھی صورت حال کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ ہنٹر اور اوکنلے اور دوسرے انگریز لکھنے والوں کا ماخذ راونشا کی یہی یادداشت ہے۔

(۳) اسی راونشا نے اپنی یادداشت میں پہلے پہل علمائے صادق پور کی غیر منقولہ جائدادوں[1] کی ضبطی، مکانات[2] کے انہدام اور سرحد[3] پار مقیم افراد نیز دوسرے کارکنوں کے خلاف سخت کارروائی کی سفارش کی:۔

"پٹنہ کے مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ ملزمین کی جائداد [منقولہ] پر نیلام نہ ہوئیں۔ اور بعض منقولہ چیزیں بہت مشکل کے بعد معمولی قیمتوں پر فروخت کر دی گئیں۔"

"صادق پور کا احاطہ پٹنہ میونسپلٹی کو دے دیا جائے اور تمام مکانات زمین کے برابر کر دیے جائیں اور وہاں ایک بازار بنایا جائے ....

...... میرے خیال میں اس سے زیادہ اچھا مصرف اس زمین کا نہیں ہو سکتا (میمورنڈم صفحہ ۲۸۹ و ۲۶)

جائداد غیر منقولہ تو سب ضبط ہو ہی گئی۔ جس کی ایک مکمل فہرست راقم نے حاصل کر لی ہے۔ کانگریس وزارت [۳۷ء۔ ۱۹۳۹ء] کے زمانے میں ایک ممبر کے ذریعہ مجلس قانون ساز (بہار) میں صادق پور کی ضبط شدہ جائدادوں سے متعلق سوال کرایا گیا۔ جس کے جواب میں حکومت نے بڑی تلاش و جستجو کے بعد ضبط شدہ جائداد کی پوری فہرست فراہم کر دی تھی۔ (ملاحظہ بہار لیجسلیٹو اسمبلی کی کارروائی۔ بابت ۱۶ مارچ ۱۹۳۹ء۔ ص ۲۷۹)

راونشا کی سفارش کے بموجب مکانات بھی زمین کے برابر کر دئے گئے تھے۔ اور اب وہاں پر پٹنہ سیٹی میونسپلٹی کی عمارت قائم ہے ۱۹۳۴ء کے زلزلے میں اس کی دوبارہ مرمت ہوئی، مگر تاریخ قائم شدہ ۱۸۶۵ء (Established. 1865.) اس پر درج ہے۔ میونسپلٹی کے باہر چھوٹا سا بازار بھی ہے۔ جائداد غیر منقولہ کی ضبطی کے سلسلے میں سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ مولانا احمد اللہ رح کا قیمتی کتاب خانہ بھی ضائع کر دیا گیا۔ مولانا کے بڑے بیٹے حکیم عبد الحمید عظیم آبادی (جو اس وقت نوجوان طبیب تھے اور بعد میں ادیب و طبیب کی حیثیت سے ہمہ گیر شہرت حاصل کی، اور "استاذ و اساتذہ"[1] کے

(۱) تمام متاخرین علمائے صادق پور انھیں کے شاگرد ہیں جس طرح اکثر متقدمین حضرات صادق پور ان کے والد ماجد مولانا احمد اللہ رح (ف ۱۲۹۸ھ) کے شاگرد تھے۔ خاقانی ہند حکیم عبد الحمید رح صاحب عظیم آبادی (ف ۱۳۲۳ھ) سے راقم کو بھی نسبت کا شرف حاصل ہے۔ استاذی و والدی مولانا حکیم محمد عبد الشکور صاحب مدظلہ (مولود ۱۲۹۰ھ) نے ان سے طب کی تحصیل کی تھی۔

راہیں کہ قافیہ گل شود بس است۔

درجے پر فائز ہوئے۔ استاذ محترم مولانا سید سلیمان ندوی مدظلہ (انھیں "خاقانی ہند" کے لقب سے یاد کرتے ہیں)، کا مختصر سا دوا خانہ بھی ضبط کر لیا گیا۔ مثنوی شہر آشوب میں لکھتے ہیں۔

نام نان ونشان قوت میرس — صورت قوت لایموت میرس
حال قوت ونشان منزل من — عالم الغیب واند دل من
یک دوا خانہ وجہ قوتم بود — مایۂ قوت لایموتم بود
آمد آن خانہ ہم بعرض ضبط — شد ہمہ نظم روزیم بے ربط الخ

اس "چنگیزی" حکم کے بعد کیا ہوا؟ اس کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہئیے۔ مختصر یوں سمجھئے کہ خاندان صادق پور کی تمام عورتیں اور بچے حکیم ارادت حسین صاحب (ف مکہ معظمہ ۱۲۹۴ھ) کے مکان میں پناہ گزین ہوئے۔ حکیم صاحب بھی خاندان صادق پور سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ مگر وہ مقدمہ انبالہ کے بعد ہی مکہ معظمہ ہجرت کر گئے تھے (رجب ۱۲۸۱ھ / نومبر ۱۸۶۴ء) اور وہیں تیرہ برس زندگی گذار کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اس لئے ان کا مکان اغیار کی دست برد سے بچ گیا۔ اور پورے صادق پور میں یہی ایک مکان ہے جو اپنے حال پر اب تک باقی ہے(۱)۔ مردوں میں صرف حکیم عبد الحمید صاحب دیکھ بھال کے لئے تھے، مولوی محمد حسن صاحب بن مولانا ولایت علی صاحب

(۱) حکیم ارادت حسین صاحب (ف ۱۳۱۱ھ) کا پرانا گھر اب تک آباد ہے۔ ان کے پوتے خاندان کی روایات کے محافظ اور عالم باعمل ہیں۔ مولانا عبد الغفار صاحب ان میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔

اولاً تو بہت کم سن تھے۔ دوسرے وہ کلکتہ سے لے کر انبالہ تک مقدموں کی پیروی میں سرگردان تھے۔ حکیم صاحب نے اپنی مثنوی میں اس بے کسی اور خانہ ویرانی کا دردناک منظر کھینچا ہے۔

کنم الحال مختصر مرقوم   ماجرائے عیال آں[1] مظلوم

چوں شب عید را سحر کردند   ہمہ را از مکاں بدر کردند

ضبط و تاراج جملہ مال و متاع   نقد و جنس و ہمہ اثاثہ ضیاع

بہر ما بود آہ جرمے سخت   بردں سوزنے ز جملہ رخت

احدے را نہ بدچہ مرد و چہ زن   حکم ہمراہ بردن سوزن

ہمہ سرگشتہ بے سر و سامان   نہ غم جیب و نہ غم دامان

من نہ تنہا کہ ہمرہم تنہا   بچگان و زنان و شیونہا

مایہ عیش سازِ ماتم شد   عید ما غرۂ محرم شد

یہ "خانہ ویرانی" ٹھیک عید کی صبح کو شروع ہوئی (۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۵) آزمائش پر آزمائش۔ کریلا اور نیم چڑھا، کہنا شائد صحیح ہو۔

"کتاب خانہ" کی بربادی پر حکیم صاحب رح کے تاثرات بھی قابل "عرض" ہیں

کتب ملت مسلماناں   رفت در دست حرف ناخوانا

داند او ہر کہ باتمیز بود   مال یغما کرا عزیز بود

راست گوئیدہ ایں مثل گفت است   دل بے رحم و دولت مفت است

---

(۱) حکیم عبدالحمید صاحب رح کا اشارہ اپنے والد مولانا احمد اللہ رح کی طرف ہے۔

ان بیچاروں کی قلبی حالت کیا تھی؟ اس کا اندازہ لگانے کے لئے مثنوی کے یہ تین شعر کافی ہیں:۔

صرصرِ فتنہ چوں وزیدے تند حبابِ این دو بیت دل می خوانند
دل ظالم بقصد کشتن ماست دل مظلوم ما بسوئے خداست
او دریں فکر تا بما چہ کند ما دریں فکر تا خدا چہ کند

راونشا نے تو صرف مکانات کے انہدام کا مشورہ دیا تھا مگر "ذمہ داران امن وامان" نے قبریں بھی کھود ڈالیں۔ مولانا عبدالرحیم صادق پوری (ف ۱۳۴۱ھ) جب بیس سال کے بعد انڈمان سے واپس ہوئے (سن ۱۳۰۱ھ) تو خاندانی قبرستان کا یہ دلدوز منظر دیکھ کر دل بھر آیا۔ اور "کراما کاتبین" کی انتہائی سختی کے باوجود ان کی آنکھوں سے خون کے قطرے ٹپک پڑے۔

"...... بہرکیف میں سپرنٹنڈنٹ صاحب کے بنگلے سے رخصت ہو کر محلہ ننمو ٹیہ[1] میں پہنچا۔ جہاں کہ میرے اہل و عیال مقیم تھے۔ اس کی صبح ہو کے صادق پور گیا۔ تو وہاں دیکھا کہ ہم لوگوں کے مکانات کل منہدم کر کے کف دست میدان بنا دیا گیا ہے۔ اور اس پر بازار اور میونسپلٹی کے مکانات بنا دئے گئے ہیں۔ میں نے چاہا کہ اپنے خاندانی مقبرہ کو کہ جہاں چودہ پشت سے ہمارے آبا و اجداد دفن ہوتے چلے آئے تھے، جا کر دیکھوں۔ اور خصوصاً اپنے والدین ماجدین غفر اللہ لہما کے مزار کی زیارت کروں، اور اس پر دعائے مغفرت اور

(۱) صادق پور اور موجودہ بانکی پور کے درمیان شہر پٹنہ کا ایک محلہ۔

فاتحہ پڑھوں۔ مگر ہر چند کوشش کی، پتہ نہ ملا۔ بعد تجسس و تفحص بسیار و غور و فکر کرکے قرینہ سے معلوم ہوا کہ حضرت والدین ماجدین کی قبریں کھود کر اس پر بنائے عمارت میونسپلٹی بنا دی گئی ہے

یا منزلاً لعب الزمان باھلہ   فاباد ھم بتفرق لا یجمع

[اے وہ منزل جس کے رہنے والے زمانے کے دست برد کے شکار ہوئے اور انھیں زمانے نے ایسا منتشر کیا کہ پھر جمع ہونے کی توقع نہیں]

ان الذین عھدتھم بک مرۃ   کان الزمان بھم یضر و ینفع

[وہ جنھیں میں نے کبھی تیری آغوش میں آسودہ حال دیکھا تھا، زمانہ ان کے سہارے نفع و نقصان پہنچاتا تھا]

اصبحت تفزع من تراک و طالما   کنا الیک من المھادل نفزع

[جو تجھے اب دیکھتا ہے گھبرا اٹھتا ہے۔ اور کبھی مشکلات سے گھبرا کر ہم تیری آغوش میں پناہ ڈھونڈھتے تھے]

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم   بقی الذین حیاتھم لا تنفع

[وہ لوگ تو گذر گئے، جن کے سائے میں زندگی، زندگی تھی۔ اب وہ لوگ رہ گئے ہیں جن کی زندگیاں کسی کام کی نہیں[1]]

"اے حضرات ناظرین۔ اس وقت اس حرکت کا جو ہمارے اموات کے ساتھ کی گئی، جو صدمہ دل پر گذرا۔ وہ بیرون از حیطۂ تقریر و تحریر ہے۔ اس وقت تک اس کی یاد سے بدن کے رونگٹے تک کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ کچھ سمجھ میں

---

(۱) ان شعروں کا ترجمہ قصداً لفظی نہیں کیا گیا۔

نہیں آتا کہ ہمارے جرم میں ہمارے اموات و آباو اجداد کی قبریں کیوں کھود دی گئیں۔ اور وہ مقبرہ کیوں معرض ضبطی میں آیا؟ ہماری "عادل گورنمنٹ" نے کیوں یہ کام کیا؟
(تذکرہ صادقہ۔ ص۱۷۹)

(۴) صادق پور کے مکانات کے انہدام کے علاوہ راونشا صاحب کی ایک سفارش یہ تھی۔

"مقیم سرحد مولویوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ ان کی جائدادیں ضبط کر لی جائیں اور ان کے مقامی کارکنوں پر کڑی نگاہ رکھی جائے خاص کر حاجی بدرالدین (ڈھاکہ) اور مولوی عبدالجبار (کلکتہ) پر مقدمہ چلانا ضروری ہے۔ (یادداشت ۳۲/۳۰)

راونشا کی یہ سفارشیں مقبول ہوئیں۔ اور پورے بہار اور بنگال میں دار وگیر کا بازار سالہا سال تک گرم رہا۔ ان سفارشوں کی قبولیت کی اطلاع سکریٹری بنگال گورنمنٹ نے کمشنر پٹنہ ڈویژن کو ان لفظوں میں دی (مراسلہ ۵۲۱ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۶۵ء)۔

(i) ....

(ii) حکومت پنجاب سے الٰہی بخش کی معافی کی کوشش کی جائے گی، نیز اس کے مکان اور پانچ سو روپے کی واپسی کی۔

(iii–۱۷) ....

(۱۸) یہ تجویز کہ صادق پور کا احاطہ پٹنہ میونسپلٹی کو دے دیا جائے تاکہ اسے زمین کے برابر کر دیا جائے اور اس جگہ ایک کھلا بازار بنایا جائے، حکومت منظور

میں پیش کی جائے گی۔ لفٹننٹ گورنر کی رائے ہے کہ جائداد غیر منقولہ کی آمدنی کا بھی ایک حصہ میونسپلٹی کو دیا جائے۔

(۱۴) لفٹننٹ گورنر ان اشخاص کے خلاف جن کا ذکر مسٹر راونشا کی رپورٹ کے دفعہ ۳۲ میں آیا ہے قانون ضابطہ فوجداری (دفعہ ۱۹۹-۱۸۳) کے ماتحت فوری کارروائی کی اجازت دیتے ہیں۔

اس دوسرے مقدمہ سازش کی مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہو گئی ہوگی کہ اس کا مقصد صرف خاندان صادق پور اور ان کے اعوان و انصار کو تباہ و برباد کرنا تھا۔ خاندان کا دنیاوی جاہ و جلال تو اسی مقدمے کی نذر ہو گیا۔ رہ گئے اعوان و انصار، ان میں جو سخت جان رہ گئے تھے۔ ان کے لئے تین مقدمے اور چلائے گئے۔ (مالدہ ستمبر ۱۸۷۰ء، راج محل اکتوبر ۱۸۷۰ء، پٹنہ مئی ۱۸۷۱ء) ان مقدمات میں کیا کیا ہوا اور ناکردہ گناہوں کو سزا دینے کے لئے کیا کیا جتن کئے گئے اس کے متعلق ایک واقف کار اور مبتلائے الم کے تاثرات ملاحظہ ہوں:۔

"جو آگ گرفتاری وہابیان ۱۸۶۳ء میں تھانیسر میں روشن ہوئی تھی۔ اس کو روز بروز ترقی ہوتی گئی .... آخر کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے تو ہزاروں من ولایتی بارود اور کرشن آئیل اس میں ڈال دیا۔ اور ہماری سرکار کو یہاں تک بھڑکایا کہ صادق پور، پٹنہ کے وہ مکانات کہ جن میں قافلے کے لوگ ٹھہرا کرتے تھے۔ سب مکانات سکنی ان فرضی باغیوں کے کھدوا کر پھکوا دئے مگر اس پر بھی سرکار کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ ۱۸۷۲ء کے آخر تک پٹنہ اور بنگالہ

میں سلسلہ گرفتاری بے گناہوں کو جاری رکھا۔ بیچارہ امیر خان سوداگر چرم اور مولوی تبارک علی وغیرہ بہت سے آدمی پٹنہ میں پکڑ لئے مولوی امیرالدین صاحب کو پبنہ میں جا پکڑا۔ ایک بوڑھے اور ضعیف شخص ابراہیم منڈل کو اسلام پور میں ـــــ اور اپنے معمولی اور پرانے گواہوں سے جو چاہا گواہی دلوا کر بیچاروں کو کالے پانی کو روانہ کیا۔ اور امیر خان کی چند کروڑ کی جائداد سے اپنا کُل خرچہ پورا کر لیا"۔ ... (تواریخ عجیب۔ صـ۷۷ ـ ۷۹)

"اور پھر سنہ ۱۸۷۱ء تک جو جو مقدمات گرفتاری وہابیان مثل مقدمہ امیر خاں صاحب سوداگر چرم و مولوی تبارک علی صاحب و مولوی امیرالدین ساکن پبنہ و ابراہیم منڈل ساکن اسلام پور ہوتے رہے، تو بھی معمولی گواہ یا گوئندہ سرکار جھوٹی گواہی دینے کو بلائے جاتے تھے۔ اور میں نے خود اُن میں سے ایک گواہ کی زبانی سُنا ہے کہ جب کبھی خلاف گواہی دینے سے ہم نے انکار بھی کیا تو ہم کو یہ کہا گیا کہ تم لوگ شرطیہ طور پر فقط اسی گواہی دینے کے واسطے بطور گوئندہ رہا کئے گئے ہو اگر گواہی نہ دو گے تو پھر تم کو دائم الحبس کر کے پہلے ہی وارنٹ پر کالے پانی کو بھیج دیا جائے گا"

(تواریخ عجیب صـ۷۹)

تیسرا مقدمہ سازش:- مالدہ سنہ ۱۸۷۰ء

مالدہ اور راج محل کے مقدموں کی تفصیلی

رودادنہیں مل سکی۔ پھر بھی انبالہ اور پٹنہ کے دونوں مقدموں (سنہ ۱۸۶۵ء اور سنہ ۱۸۶۵ء) کی رپورٹوں اور سرکاری کرم فرماؤں کی تحریروں سے جو کچھ

معلوم ہو سکا ہے۔ وہ درج ذیل ہے۔

"مقدمہ انبالہ کے بعد وہابی اپنا پروپگنڈا کرتے رہے تا آنکہ حکومت تشدد پر مجبور ہوگئی۔ اور مختلف مقدمات چلائے گئے۔ ۱۸۶۵ء کا مقدمہ سازش پٹنہ بھی اسی سلسلے میں چلایا گیا تھا۔ پھر کچھ سراغ ملا۔ تو ۱۸۷۰ء میں مالدہ اور راج محل کے مقدمے دائر ہوئے۔" (ہنٹر۔ ص ۱۱۵)

۱۸۷۰ء کے دو مقدموں میں، پہلا مالدہ میں مولوی امیر الدین پر چلایا گیا۔

مولوی امیر الدین کون تھے؟ ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

"مولانا ولایت علی کے خلیفہ عبد الرحمٰن لکھنوی نے مالدہ میں تبلیغ کی اور وہیں بس گئے ان کے کارکنوں میں ایک صاحب رفیق منڈل نامی تھے۔ وہ ۱۸۵۳ء میں گرفتار ہوئے، پھر رہا کر دئے گئے۔

اس کے بعد انھوں نے اپنے بیٹے امیر الدین کے ذمہ یہ خدمت کی ۱۸۶۵ء کے مقدمے کے دوران میں امیر الدین کی شرکت کا راز کھلا لیکن وہ اپنا کام کرتا رہا۔ ان کے حلقے میں پورا مالدہ ضلع اور راجشاہی اور مرشد آباد کے کچھ حصے تھے۔ (جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد ۱۴ صفحہ ۳۷)

"ایک شخص عبد الرحمٰن نامی (خلیفہ مولانا ولایت علیؒ) مالدہ، تبلیغ کرتے ہوئے آئے۔ پھر وہ وہاں رہ پڑے۔ شادی کرلی۔ اور ایک اسکول میں معلم ہو گئے۔ ان کی تبلیغ کامیاب ہوئی، آدمی اور رقم سرحد کو بھیجتے رہے۔ سالہاسال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ ۱۸۵۳ء میں ان پر شبہ ہوا گرفتار ہوئے پھر چھوڑ دئے گئے۔

"اس کے بعد ان کا کام ان کے[1] بیٹے مولوی امیر الدین نے سنبھالا جنھوں نے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دئے۔ مقدمہ پٹنہ ۱۸۶۵ء میں ان پر شبہ ہوا۔ تنبیہ کی گئی، لیکن یہ اپنا کام زور و شور سے کرتے رہے۔

(ہنٹر صہ ۸۱)

"ضلع مالدہ"

"راجشاہی کی طرح اس ضلع میں بھی جماعت بہت نمایاں ہے .... اسی زمانے میں شفیع اللہ منڈال نے ..... روپے جمع کئے جو ایک .... مولوی کو دئے، جو چند مریدوں کے ساتھ گاؤں میں تبلیغ کے لئے آیا تھا۔ اس مولوی کا نام امیر الدین (ولد رفیق منڈل) ہے۔ کچھ دن ہوئے، یہ بغاوت پھیلانے کے جرم میں گرفتار بھی ہوا تھا۔ اور مرشد آباد جیل میں محبوس رہا تھا۔"

(راونشا کی یادداشت)

ان میں مولوی امیر الدین صاحب، پر مالدہ میں "بغاوت" کا مقدمہ دائر کیا گیا۔

(۱) ہنٹر نے مولوی امیر الدین کو مولوی عبد الرحمن کا بیٹا لکھا ہے۔ حالانکہ اس کے "ذکرہ" راونشا نے (ولد رفیق منڈل) کی تصریح کی ہے ـــــ نیز رفیق منڈل کے حالات میں راونشا لکھتا ہے:۔

"اس کا بیٹا شاہ محمد آج کل تھانہ میں رہتا ہے۔ اور دوسرا لڑکا، جس کا نام نہیں معلوم آج کل دفانات میں تبلیغ و تحصیل کا کام کرتا ہے۔"

ہائی کورٹ سے حبس دوام بعبور دریائے شور اور املاک کی ضبطی کی سزا ہوئی۔ مارچ سنہ۱۸۶۷ء میں انڈمان پہنچ گئے۔ اور دس گیارہ سال سختی اور جلاوطنی کے کاٹ کر سنہ۱۸۸۳ء میں رہا ہو کر وطن واپس ہوئے۔ (تواریخ عجیب، ص[illegible])

چوتھا مقدمہ سازش۔ راج محل اکتوبر سنہ۱۸۶۸ء

راج محل(۱)، صوبہ بہار بھاگلپور کمشنری کے اندر واقع ہے، یہ ایک پہاڑی علاقہ ہے۔ مالدہ ضلع، گو بنگال میں ہے لیکن دریا کی راہ سے راج محل اور مالدہ بالکل ملے ہوئے ہیں۔ راج محل کے نواح میں ایک قصبہ اسلام پور ہے، وہیں ایک بزرگ ابراہیم منڈل تھے، جنھیں مجاہدین کی تحریک سے خاص دلچسپی تھی۔ منڈل اس نواح میں چودھری یا پٹیل کو کہتے ہیں۔ راونشا کے "اسماء الرجال" میں کئی بزرگ "منڈلی" کے نام سے موسوم نظر آتے ہیں۔ یہ لفظ منڈل ہے۔ یہ قصبہ اسلام پور آج بھی اس نواح میں اپنی دینداری اور اخلاقی برتری کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ راقم نے اپنے ملنے والوں میں پروفیسر عبد الباری (ڈپٹی سپیکر، بہار اسمبلی جو اسی حلقے سے پرانی صوبہ کونسل میں منتخب ہو کر آتے تھے اور پھر نئی اسمبلی میں بھی اسی نواح سے منتخب ہوئے) کو ان لوگوں کی دینداری کا بہت مداح پایا۔ اسی طرح میرے ایک دوسرے دوست منظور احسن صاحب (کمر ڈبی۔ مان بھوم) جو اسی علاقے میں پتھروں کا کاروبار کرتے ہیں، خاص طور پر اسلام پور والوں کی مذہبیت کی تعریف

---

(۱) راج محل پہلے مالدہ ضلع میں تھا۔ پھر مرشد آباد (بنگال) میں ضم کر دیا گیا۔ آج کل سنتھال پرگنہ (بھاگلپور کمشنری) میں شامل ہے۔

کرتے تھے۔

خلاصہ یہ کہ مالدہ کے بعد فوراً ہی راج محل میں ابراہیم منڈل پر مقدمہ دائر کیا گیا۔ (اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ء) اور تمام ملزموں کی طرح انھیں بھی "شہادت" سے محروم رکھا گیا۔ اور صرف "حبس دوام بعبور دریائے شور اور ضبطی جائداد" کی سزا ہوئی۔ ابراہیم منڈل کے متعلق ذاتی تحقیق سے صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ وہ اصحاب صادق پور میں سے کسی کے مرید تھے۔ اور راج محل کے علاقے میں ان کی دھاک تھی۔ اب بھی ان کے خاندان کے لوگ خوش حال ہیں۔ مگر وہ آگ ٹھنڈی ہو چکی ہے۔ ان کے وطن اسلام پور میں ایک مدرسہ بھی ہے۔ رسالہ اشاعت السنۃ (جلد ۵ ص۱۱) سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ امیر خاں کے ساتھ سنہ ۱۸۷۸ء میں لارڈ لٹن (سنہ ۱۸۷۶ء - سنہ ۱۸۸۰ء) کے حکم سے رہا کر دئے گئے تھے۔ اور غالباً انڈمان بھی نہیں بھیجے گئے[1]۔ ہمارے مہربان خاص ہنٹر صاحب نے بھی مالدہ اور راج محل کے مقدموں کی طرف صرف سرسری طور پہ اشارہ کیا ہے۔

"سنہ ۱۸۷۱ء میں ایسے [یعنی اضلاع کے] دو مرکز (Settlements توڑ دئے گئے۔ ان کے سرکردہ مبلغوں کو غیر جانبدار عدالتوں سے عبور دریائے شور اور ضبطی املاک کی سزا ہوئی۔ ان کی سازش کا جال برطانیہ کے علاوہ کسی کمزور

---

(۱) مزید تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کے انتقال کو چالیس[۴۰] پینتالیس[۴۵] برس ہوئے ہیں۔ ان کے پوتے اس وقت زندہ ہیں۔ اور ابھی ایسے لوگ زندہ ہیں، جنھوں نے ابراہیم منڈل کو دیکھا ہے۔

حکومت کو بہ آسانی مرعوب کرسکتا تھا۔ (ص ۴۷)

"غیر جانبدار" عدالتوں کا تجربہ تو اس ملک کے ستم زدوں کو ہزار بار ہو چکا ہے۔ اس لئے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ اس سلسلے میں یہ بیان شائد دلچسپی سے سنا جائے کہ مجاہدین کے ایک بڑے کرم فرما اور ان سب میں جماعت سے زیادہ واقف مسٹر او کنیلے (James O'Kinealy.) ان مقدموں میں خاص طور پر سرکار کی طرف سے پیروکار مقرر کئے گئے تھے۔ اور انھوں نے "یہیں راج محل میں بیٹھ کر (۳۱ اکتوبر سنہ ۱۸۶۴ء یعنی مقدمہ کی پیروی کے دوران میں یا دو چار دن بعد) مولانا کرامت علی جون پوری (وفات سنہ ۱۲۹۰ھ / ۱۸۷۳ء۔ جن کے بارے میں ہم یہ لکھ آئے ہیں کہ ان کی روش، سید صاحب رح کے اصحاب خاص کے مسلک سے الگ ہو گئی تھی) کو یہ "سند" عطا کی ہے۔ جسے ان کے عزیزوں اور اخلاف نے سنہ ۱۹۱۴ء میں نہایت دیدہ زیب طریقے پر طبع کرایا تھا، تاکہ "وقت پر کام آئے"۔

"مولانا کرامت علی جون پوری کی تمام تصنیفات پڑھنے کی میں نے مسرت حاصل کی ہے، اور میں اپنے علم کی بناء پر شہادت دے سکتا ہوں کہ انھوں نے اپنے کو ہمیشہ ایک راسخ العقیدہ (Orthodox.) حنفی عالم، وہابیوں کے کٹر دشمن (Persistent Opponent) اور ہندوستان میں برطانوی حکومت کے ہوا خواہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔"

پانچواں مقدمہ سازش پٹنہ سنہ ۱۸۷۱ء

یہ آخری مقدمہ سازش، پٹنہ میں دائر ہوا۔ اور

بعض حیثیتوں سے اہم ہے۔ پہلے مارچ ۱۸۷۱ء میں مسٹر باربر (D. M. Barbour) آفیشیٹنگ جائنٹ مجسٹریٹ، پٹنہ کے اجلاس میں اس کی سماعت ہوئی۔ مجسٹریٹ نے ۲۷ مارچ کو ملزموں پر فرد جرم عائد کر کے سشن سپرد کیا۔ اور پہلی مئی کو مقدمہ کھلنے پر کل ۱۳۶ سرکاری گواہوں اور کچھ ملزموں کے گواہوں کو حاضری کا حکم دیا گیا۔

"یہ گواہ [شمالی] ہندوستان کے تقریباً ہر حصے کے تھے۔ پشاور، ہزارہ اور ماورائے سرحد سے لے کر مدناپور اور باقر گنج جیسے مشرقی اضلاع (بنگال) سے یہ گواہ لائے گئے تھے۔ بعض عذروں کی بنا پر کلکتہ ہائی کورٹ کو انتقال مقدمہ کی درخواست کی گئی۔ اور اس لئے ۱۳ مئی تک سماعت ملتوی رہی۔ ہائی کورٹ نے انتقال مقدمہ کی درخواست نامنظور کی۔ تو التواء کی درخواست دی گئی۔ جس پر ہائی کورٹ نے ۲۹ مئی تک سماعت کے التوا کا حکم دیا۔

"یہ حکم بالکل غیر عادی تھا۔ اس لئے کہ اس عدالت میں کوئی ایسی درخواست نہیں دی گئی تھی، جس پر اُسے تعزیرات ہند کے دفعہ (۳۶۱) کے مطابق غور کرنے کا موقع ملتا۔ (فیصلہ سشن کورٹ۔ وہابی ٹرائل ص۱۵۱)

اس کے بعد جج صاحب نے ہائی کورٹ کی زیادتیوں کا شکوہ کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ مقدمہ ۳۰ مئی کو شروع ہوا۔ اور کچھ وقفوں کے ساتھ ۱۹ جولائی تک جاری رہا۔ کل ۳۸ روز مقدمے کی سماعت ہوئی۔ جس میں سب ملا کر ۱۵۹ گواہ پیش ہوئے (۱۳۱ سرکار کی طرف سے اور

۴۶ ملزموں کی جانب سے)۔ ان کے علاوہ خطوط اور کاغذات کے انبار نے بھی اچھا خاصہ وقت لیا۔ (ص ۱۵۱)

اس مقدمے میں کُل سات ملزم تھے:۔ پیر محمد[1]، امیر خاں[2]، حشمداد خان[3]، مبارک علی[4]، تبارک علی[5]، حاجی دین محمد[6]، امین الدین[7]۔

ملزموں میں جماعتی حیثیت سے سب سے زیادہ اہم مولوی مبارک علی صاحب تھے۔ ان کا ذکر تنظیم جماعت کے سلسلے میں آچکا ہے۔ مولانا احمد اللہؒ (ف ۱۲۹۸ھ) کی گرفتاری (۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵) کے بعد یہ جماعت کے نظم ونسق کے ذمہ دار ہوئے۔ انبالہ اور پٹنہ کے مقدموں کی پیروی میں مولوی محمد حسن صاحب (ف ۱۳۰۶ھ / ۱۸۸۹) کی بڑی مدد کی۔ انبالہ کا سفر بھی کیا۔ آخر ۱۸۶۵ء / ۱۲۸۲ھ میں گرفتار ہوئے۔ پھر ۱۸۷۱ء کے آخری مقدمہ سازش میں دھر گھسیٹے گئے۔ اور سخت اذیت دی گئی، تاآنکہ اسی حال میں روح نے جسم خاکی سے رہائی حاصل کی۔ [ف تقریباً ۱۲۸۸ھ]

ان کے صاحبزادے مولوی تبارک علی بھی اس مقدمہ میں ماخوذ تھے "جرم" کی نوعیت کے لحاظ سے ان کا نام سب سے پہلے آنا چاہیئے۔ ان پر الزام یہ تھا کہ مولوی عبداللہؒ (ف ۱۳۲۰ھ) کے ساتھ امبیلا کی مہم (۱۸۶۳ء) میں یہ شریک تھے۔ اور ایک دستے کی کمان ان کے ہاتھ میں تھی۔ حاجی دین محمد اور امین الدین پر باغیوں کی اعانت کا الزام تھا۔ حشمداد خاں کو سشن جج نے رہا کردیا کہ ان کے خلاف بادی النظر میں مقدمہ

(Prima facie case.[1]) ثابت نہ ہو سکا۔ پیر محمد ہائی کورٹ سے بری ہوئے۔ لیکن ان سب میں عجیب و غریب معاملہ امیر خاں کا ہے۔ اور اس آخری مقدمے کی ساری اہمیت انھی کی وجہ سے ہے۔

ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر "ملزم" مختلف وقتوں میں گرفتار کئے گئے اور کبھی کبھی درمیان میں رہا بھی کئے گئے۔ لیکن مقدمہ ۱۸۷۱ء میں ایک ساتھ چلایا گیا۔ مولوی مبارک علی ۱۸۶۸ء میں مشتبہ خطوط کے سلسلے میں گرفتار کئے گئے۔ حاجی دین محمد، پیر محمد، تبارک علی ۱۸۶۸ء، ۱۸۶۹ء اور ۱۸۷۰ء میں مختلف وارنٹوں کے ماتحت گرفتار کئے گئے۔ اور بار بار ممالک مغربی و شمالی اور پنجاب کے جیلوں میں منتقل کئے گئے۔ (وہابی ٹرائل ص ۱۴۲)

ایک مزے کی بات یہ ہے کہ مبارک علی، تبارک علی، امین الدین اور حاجی دین محمد جو مختلف وقتوں (۱۸۶۸ء - ۱۸۶۹ء) میں شاہی قیدی[2] (State prisoners) کی حیثیت سے گرفتار کئے گئے تھے۔ جنوری ۱۸۷۱ء میں رہا ہوئے اور پھر اس مقدمے کے لئے "از سر نو" گرفتار کئے گئے۔

لیکن جیسا کہ راقم نے ابھی عرض کیا، ان سب "اسیران بلا" میں امیر خاں کا معاملہ سب سے عجیب و غریب ہے۔ یہ پٹنہ، محلہ عالم گنج کے رہنے والے

---

(۱) وہ مقدمہ جس میں شہادت ایسی ہو کہ اس کی تردید کے لئے فریق مخالف کو لازماً جواب دہی کرنی پڑے (اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری) (Prima facia) کا لفظی ترجمہ (On the face of it) بادی النظر میں) ہے۔

(۲) اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری میں اسٹیٹ پرزنر کا ترجمہ 'سیاسی قیدی' دیا ہے۔ جو مفہوم کو ادا نہیں کرتا۔ راقم نے 'شاہی قیدی' کا فقرہ تراشا ہے، مگر طبیعت مطمئن نہیں۔

اور کروڑ پتی تاجر تھے۔ ان کا چمڑے کا کاروبار بنگال و بہار میں پھیلا ہوا تھا۔
اور بڑے بڑے انگریز تاجر بھی ان کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ ان کی تجارت تباہ
کرنے اور ساری جائداد ضبط کرنے کے لئے ان پر اتنا "شاندار مقدمہ" "تصنیف"
کیا گیا، جس میں ۱۱۳ سرکاری گواہ پیش ہوئے۔ اور مسٹر او کنیلے جیسے "گرگ
باران دیدہ" کو سرکاری پیروکار مقرر کیا گیا۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ
امیر خاں کو مجاہدین اور ان کے نصب العین سے لگاؤ تھا خود حضرت سید شہیدؒ
(ش سنہ ۱۲۴۶ھ) یا مولانا ولایت علی صادق پوری (وفات سنہ ۱۲۶۹ھ) سے بیعت تھی۔
اور جہاد کے کاموں میں روپیہ سے مدد کیا کرتے تھے۔ زکوٰۃ کی رقمیں باضابطہ
طور پر ادا کرتے۔ بنگال کے مشرقی اضلاع سے جو رقمیں آتیں وہ بسا اوقات انھیں
کے کلکتہ والے فرم کے واسطے سے پٹنہ اور پنجاب کو بھیجی جاتیں مگر حکومت
نے انھیں سزا دینے اور ان کی جائداد کی ضبطی کے لئے جو کارروائیاں کیں،
وہ اسی حکومت کے قانون دانوں اور ہوا خواہوں کی نگاہ میں غیر منصفانہ
اور خلاف قانون تھیں۔

مسٹر ریٹسک (E. Rehatsek) نے اس مشہور مقدمے کے
متعلق جو کچھ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ انھیں کے لفظوں میں پیش کرنے کی
کوشش کی جاتی ہے۔ اس سے اس مقدمہ سازش کی غرض و غایت
معلوم ہو جائے گی۔

"وہابی، حکومت، نیز دوسرے مسلمان فرقوں کی نگاہوں میں جس قدر
بدنام ہیں، اس لئے امیر خاں اور محمد داد خاں نامی قیدیوں نے جن کا [مقدمہ]

جسٹس نارمن (Norman.) کلکتہ ہائی کورٹ کے اجلاس میں پیش ہوا تھا۔ (اگست اور ستمبر ۱۸۷۰ء [؟۱۸۷۱ء] اپنے وہابی ہونے کا اقرار نہیں کیا۔ اسی لئے ایک پمفلٹ (مشہور وہابی مقدمہ۔ The great wahabi Case) کے مرتب کرنے والے کہتے ہیں کہ انھوں نے صرف مقدمے کا مشہور نام قائم رکھا ہے۔ ان کا یہ مقصد نہیں کہ یہ لوگ واقعی وہابی ہیں۔ اس لئے کہ انھوں نے حلفیہ بیان دیا ہے کہ یہ سُنّی ہیں)۔ (جنرل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی" جلد ۱۴ ص ۱۳۵)

"اصل مقدمہ پٹنہ میں دائر ہوا تھا، جس کی پیروی مسٹر انگرام (Ingram.) نے کی۔ صرف ہیبئس کورپس(۱) (Habeas Corpus) کی سماعت کلکتہ میں ہوئی۔ مشہور بیرسٹر مسٹر انسٹی (Anstey) بمبئی سے کلکتہ لایا گیا۔ اور مقدمہ ۷ اگست ۱۸۷۱ء سے شروع ہو کر ۸ ستمبر کو ختم ہوا۔ مختلف وقفوں کے ساتھ مقدمے کی سماعت صرف نو روز ہوئی۔"

---

(۱) (Habeas Corpus) کے لفظی معنی (Have the body) کے ہیں۔ اور توضیح یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو حکومت کی عاملہ یا پولیس وغیرہ خلاف قانون قید یا حبس میں ڈال دے تو اس شخص کو یا اس کی طرف سے ہر کسی شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ ہائی کورٹ کے کسی جج کے پاس جا کر درخواست کرے کہ فلاں شخص کو خلاف قانون محبوس کر دیا گیا ہے۔ تو جج فریق ثانی کے نام حکم نامہ جاری کرے گا کہ وہ آ کر وجہ بیان کرے کہ کیوں اس کے خلاف (Writ of habeas Corpus) (محبوس شخص کی آزادی کا حکم) جاری نہ کیا جائے؟ اور اگر حابس کوئی قانونی وجہ نہ بیان کر سکے جو جج کی نگاہ میں جائز ہو، تو جج رہائی کا حکم دے دے گا یعنی (Writ of habeas Corpus.) جاری کر دے گا۔ مختصر طور پر یوں سمجھئے کہ (Habeas Corpus) ایک حق ہے جو (Law of England) کے ماتحت تمام برطانوی رعایا کو حاصل ہے۔

امیر خاں، عمر ۵۷ سال، جو کہ چمڑے کا تاجر تھا، ریگولیشن III ۱۸۱۸ء کے ماتحت گرفتار کیا گیا تھا۔ اس نے حسب ذیل درخواست اپنے وکیل (Attorney) کے ذریعہ دی:۔

"قیدی ملکہ کا ایک وفادار رعایا ہے۔ سالہا سال سے کلکتہ میں تجارت کرتا ہے، سنیچر ۱۰ جولائی ۱۸۶۹ء کو ایک بجے بغیر کسی قانونی (Lawful) وارنٹ کے اپنے جائے قیام کولوٹولہ[1] سے گرفتار کیا گیا......... اسے بالکل خبر نہیں، کہ کیوں اور کس کے حکم سے وہ گرفتار ہوا ہے۔ حالانکہ اس نے وجہ دریافت کی تھی وہ اپنے گھر سے ہوڑہ (ای، آئی ریلوے اسٹیشن) لایا گیا۔ جو اس عدالت کے عدالتی اختیار (Jurisdiction) سے باہر ہے۔ پھر وہ گیا [بہار] بھیجا گیا، جہاں وہ ۳ راگست ۱۸۶۹ء تک رہا۔ پھر اُسے علی پور جیل [کلکتہ] منتقل کر دیا گیا۔ (ص ۳۷۵)

دوسرے قیدی حشمداد خاں نے ۱۱ رمئی ۱۸۷۰ء کو لفٹنٹ گورنر بنگال کی خدمت میں ایک میموریل پیش کیا، کہ اُسے رہا کیا جائے یا جلد از جلد اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ لفٹنٹ گورنر نے جواب دیا کہ نہ تو وہ رہا کیا جا سکتا ہے اور نہ مقدمہ ہی چلایا جا سکتا ہے۔ اور چونکہ وہ ریگولیشن III، ۱۸۱۸[2] کے ماتحت

(۱) کلکتہ کا ایک آباد محلہ، جہاں زیادہ تر مسلمان تاجروں کی دوکانیں اور آڑھتیں ہیں۔

(۲) اس غیر معمولی حربے (ریگولیشن III ۱۸۱۸ء) کے جواز میں ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب کے پورے تین صفحے صرف کئے ہیں (ص...): یہ ریگولیشن موجودہ ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کا پیش رو ہے۔ یہ صوبہ بنگال میں رائج تھا۔ اس کے مقابلے میں صوبہ مدراس میں ریگولیشن II، ۱۸۱۹ء اور بمبئی میں ریگولیشن VIII، ۱۸۱۹ء رائج تھے۔ چونکہ اس وقت کوئی مرکزی مجلس قانون ساز نہیں تھی۔ اس لئے یہ ریگولیشن گورنر کے اختیار خاص سے جاری کئے جاتے تھے۔ ان سب کا مقصود وہی تھا، جو آج ڈیفنس ایکٹ کی غرض بتائی جاتی ہے یعنی حکومت وقت کے خلاف منشاء کارروائیوں کو ختم کرنے کے لئے امن عامہ کا تحفظ"

گرفتار کیا گیا ہے، اس لئے نہ تو یہ معمول ہے، اور نہ حکومت کی نظر میں ضروری ہے کہ اُسے وارنٹ کی نقل فراہم کی جائے۔ (صفحہ ۳۶۶)

امیر خاں کے مقدمے کی پیروی پہلے مسٹر (Anstey) نے کی۔ پھر وہ بمبئی واپس چلا آیا، اس پر انگلش مین [English Men.] اُس وقت کا مشہور نیم سرکاری اخبار] نے یہ الزام لگایا کہ مسٹر (Anstey) فیس کی کمی کے باعث بد دل ہو کر چلے گئے، جس کی انھوں نے تردید کی اور اس مقدمے کو "شرم ناک" (The shamepul case miscalled Wahhaby Enquery.) بتایا۔

(صفحہ ۳۷۶)

"آٹھویں دن جسٹس نارمن (Norman.) نے ایک لمبا فیصلہ سنایا، جو شواہد و اقتباسات سے بھرا تھا۔ جس کا خلاصہ ان الفاظ میں کیا گیا تھا۔

"وجوہ مذکورہ بالا کی بنیاد پر میری رائے یہ ہے کہ امیر خاں کو بذاتِ خاص حاضر کرنے کے لئے...... (Habeas corpus.) کا حکم نامہ (Writ) جاری کرنا (issue) مناسب نہیں اور [جو کارروائی ہوئی ہے] اُس قانون (Rule) کا منشاء پورا ہو جائے گا جس کے تحت یہ کارروائی کی جا رہی تھی۔

(صفحہ ۳۷۷)

"اصل مقدمے کی پیروی مسٹر انگرام[1] (Ingram.) نے کی۔ یہ بڑا مشہور بیرسٹر تھا۔ اس کی آمدنی کا کم سے کم تخمینہ ایک لاکھ کیا جاتا ہے۔ پٹنہ سے کلکتہ

---

(۱) مسٹر انگرام کے علاوہ مسٹر لنگھم (Lingham.) اور مسٹر منڈس (Mendes) بھی بعض دوسرے ملزموں کی طرف سے پیروکار تھے۔ اور بعض ملزموں کی طرف سے کوئی وکیل نہیں تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ انبالہ (۱۸۶۴ء) سے لے کر پٹنہ (۱۸۷۱ء) تک دفاع کے تمام وکیل یورپین تھے۔

انتقال کی درخواست دی گئی۔ لیکن ہائی کورٹ نے نامنظور کی۔ ایڈوکیٹ جنرل نے سپریم گورنمنٹ کی ہدایت کے بموجب انتقال مقدمہ کی سخت مخالفت کی۔"

"یہ مقدمہ ذاتی نوعیت اختیار کر گیا تھا۔ سرکاری حلقوں کا خیال یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح ان مجرموں کی سزا ہو جانا چاہیئے۔ اور یہ کلکتہ میں ناممکن تھا۔"

(ص ۳۷۸)

یہ سب ایک انگریز صاحب قلم کے تاثرات ہیں۔ جس کا رویہ مجاہدین کے ساتھ دوستانہ بھی نہیں۔ "مقدمہ" کی روداد سے متعلق دو چار باتیں اور ان کی زبان سے سن لیجئے۔

"امیر خاں [پہلے پہل] ۱۸۶۸ء [رمضان ۱۲۸۵ھ۔ مقدمہ انبالہ کے دوران میں] میں گرفتار کیا گیا۔ پھر ضمانت پر رہا کیا گیا۔ اس کے بعد ۱۸۶۹ء [ربیع الاول ۱۲۸۶ھ] میں گرفتار ہوا۔ اور پہلی مئی ۱۸۷۰ء تک (جب کہ ان کا مقدمہ پٹنہ میں شروع ہوا) کسی قانونی وارنٹ کے بغیر، صرف گورنر جنرل کی مرضی پر قید رکھا گیا۔"

"مقدمہ مئی، جون، جولائی تین مہینے جاری رہا۔ شہادتوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کے متعلق بہت کم کہا گیا ہے، روپیہ کے معاملے میں امیر خاں بہت فیاض معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بہت دشوار معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تعلق جہاد سے ثابت کیا جائے۔"

جولائی کے شروع میں حشمداد خاں کو پٹنہ کے سیشن جج نے رہا کر دیا۔ اس لئے کہ ان کے خلاف الزام (Prima. facia case.) ثابت نہ ہو سکا

پیر محمد کو بھی رہا کر دیا گیا۔ جج کی رائے میں ان کے خلاف کافی شہادت نہ تھی۔

"باقی پانچ آدمیوں (بشمول امیر خاں) کو حبس دوام کی سزا ملی۔ اس معمر آدمی (امیر خاں) نے اپیل کی، لیکن بے سود۔ آخر اتنی ترمیم ہوئی کہ انھیں ہندوستان ہی میں رکھا جائے۔ ۱۸۶۹ء میں رہا کیے گئے۔ اور شاید رہائی کے ایک یا دو دن بعد ان کا انتقال ہو گیا۔" (صـ۳۷۹)

امیر خاں کے مقدمے کی ساری اہمیت ان کی کروڑوں روپے کی جائداد کی وجہ سے تھی۔ آخر کیا بات ہے کہ انبالہ، پٹنہ، مالدہ اور راج محل کے مقدموں میں دو چار گواہوں سے سرکار کا کام چل گیا۔ مگر اس آخری مقدمے میں سرکار کو ملک کے طول و عرض سے ۱۱۳ گواہ بلانا پڑے۔ اس پر بھی خود ایک انگریز مبصر کی زبان میں "ملزموں کے خلاف گواہوں نے بہت کم کہا۔"

وہ بیچارے کہتے کیا؟ انھیں تو رٹی ہوئی داستان(۱) سنانا تھی۔ ۱۸۷۱ء کے مقدمے کی پوری روداد ہمارے سامنے ہے۔ راقم نے اس کا حرف حرف بار بار پڑھا ہے۔ امیر خاں کے "جرم" کے اعتراف کے باوجود یہ کہنا پڑتا ہے کہ مقدمے کی روداد سے ان کا "جرم" مشتبہ ہو جاتا ہے۔

ہاں! تو جیسا کہ راقم نے عرض کیا، حکومت امیر خاں کی جائداد ضبط کرنا چاہتی تھی۔ اور وہ اس نے کر کے دکھا دیا ـــــ بعد کو "ضعیفی" کے باعث انھیں رہا

(۱) ان میں سے بہتیرے گواہوں کو کافی انعامات بھی دے گئے (ملاحظہ ہو: شہادت قاضی مراد (برادر قاضی م...
متہم مقدمہ انبالہ) گواہ انبالہ، پٹنہ، مالدہ، راج محل) وہابی ٹرائل: ـ صـ۲۶

کردیا گیا مگر جائداد کا ایک حبّہ واپس نہیں ملا۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری لکھتے ہیں:۔

".......اپنے معمولی پرانے گواہوں سے جو چاہا، گواہی دلوا کر بیچاروں کو کالے پانی کو روانہ کیا۔ اور امیر خاں کی چند کروڑ کی جائداد سے اپنا کل خرچہ پورا کر لیا اگرچہ اس امیر خاں کو باوجود دائم الحبسی کے چار برس[1] بعد گورنمنٹ نے مفت کا احسان رکھ کے چھوڑ دیا اور ایک حبّہ جائداد منضبطہ سے واپس نہ دیا۔ اگر چار برس پہلے الزام سے بری ہو کر چھوٹ جاتا۔ تو اپنی کروڑوں کی جائداد منضبطہ بھی سرکار سے واپس لے لیتا......." (ص ۸۳۔ تواریخ عجیب)

اس مقدمے کے دوران میں پولیس نے کیا کیا بے عنوانیاں کیں ؛ اور کس کس طرح بے گناہوں کو تنگ کیا۔ اس کا ہلکا سا اندازہ مسٹر پرنسپ (H.T. Princip.) سشن جج پٹنہ (۱۸۷۱ء) کے مندرجہ ذیل ریمارک سے ہوگا۔ مقدمہ انبالہ کی تفتیش کے سلسلے میں میجر پارسن، ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس، انبالہ، کلکتہ تشریف لائے تھے، اور امیر خاں کو گرفتار کر کے مسٹر ریلی (Reily.) پولس افسر، کلکتہ کے گھر میں رکھا گیا۔ پھر چند مہینوں کے بعد انھیں چھوڑ دیا گیا اور کاغذات واپس کئے گئے ۔۔ یہ ساری کارروائی من مانی تھی۔ اس پر سشن جج، پٹنہ کا ریمارک ملاحظہ ہو:۔

---

(۱) (Rehatsek.) ۱۸۶۹ء میں رہائی کا ذکر کرتا ہے۔ گویا سزایابی کے آٹھ برس بعد۔ رسالۂ اشاعت السنۃ (جلد ۵ ۱۲۸۷ھ) میں رہائی کی تاریخ ۱۸۷۳ء دی گئی ہے۔

"صاحب علی [امیر خاں کا ملازم] اور امیر خاں خانہ تلاشی کے بعد رات کو مسٹر ریلی کے گھر لے جائے گئے۔..... امیر خاں سے ضمانت لی گئی اور باقی اسی شام کو میجر پارسن کے ساتھ انبالہ بھیجے گئے ـــــــ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مسٹر ریلی کے گھر پر چند مہینے حاضر رہنے کے بعد (After attending Mr. Reily's house.) امیر خاں کو چھوڑ دیا گیا۔ اور ان کے خطوط و کاغذات جو مسٹر ریلی کے ہاتھ سے آگے نہیں بڑھے، واپس کئے گئے۔ میں ان کارروائیوں کا ذکر کر رہا ہوں اس لئے کہ یہ سب بالکل غیر قانونی تھیں، اور گو موجودہ مقدمے پر ان کا فوری اثر نہیں پڑتا۔ ان کو نظر انداز کرنا مناسب نہ ہوگا۔

اس لئے کہ اگر ہندوستان میں سراغ رسانی کی پولیس رکھنا مطلوب ہے تو اس کے افسروں کو پولیس افسروں کے عام قانون سے اپنے کو برتر[1] نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اور بہت ممکن ہے کہ ان معاملات میں بے ضبط (Unrestraind) آزادی اختیار کے غلط اور ناروا (Absence of Power) استعمال پر منتج ہو۔ (صفحہ ۱۶۶)

بعض دوسرے گرفتاران بلا

اوپر سازش کے پانچ مقدموں کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے

---

(۱) ایک طرف پولیس افسروں کی یہ زیادتیاں ہیں۔ دوسری جانب سرکار کی ان خاص نوازش کا بھی حال سن لیجئے۔ الیشری پرشاد، پولیس انسپکٹر، پٹنہ (۱۸۶۴ء) (جس نے انبالہ (۱۸۶۴ء) پٹنہ (۱۸۶۵ء) کے مقدموں میں کارہائے نمایاں انجام دئے اور اسیران بلا کو دوبارہ "پھانسنے" کے لئے اس نے انڈمان تک کا سفر کیا) کی ترقی کی سفارش خود ریوٹشا نے اپنی یادداشت (دفعہ ۳۴) میں کی تھی۔ جو قبول ہوئی اور غالباً انھیں ڈپٹی کلکٹر بنایا گیا، نیز لفٹننٹ گورنر بنگال بہادر نے مزید ڈھائی ہزار کے نقد انعام کی سفارش کی (مراسلہ مسٹر A. Eden. سکریٹری گورنمنٹ بنگال بنام کمشنر پٹنہ ڈویزن۔ مورخہ ۲۶ جولائی ۱۸۶۵ء)

یہ معنی نہیں کہ صرف یہی حضرات قید و محن میں مبتلا کئے گئے۔ ۱۸۶۹ء سے ۱۸۷۱ء تک گرفتاریوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ بڑی تعداد کچھ "لے دے کر" چھوڑ دی گئی۔ کچھ بے قانون اور بے سزا حوالات اور جیلوں میں سڑتے رہے۔ ایک اچھی خاصی جماعت وعدہ معاف گواہ بننے پر مجبور کی گئی۔ ۱۸۷۱ء کے مقدمے کی "روداد" پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ الٰہی بخش (برادر حقیقی میر مقصود علی امیر المجاہدین ف ۱۲۷۶ھ) قاضی مراد (برادر حقیقی قاضی میاں جان متہم سازش انبالہ) الٰہی بخش، محمد شفیع، عبدالکریم (سزا یافتگان انبالہ) عبداللہ قواعدی (جو مجاہدین کو قواعد سکھانے پر مامور تھا) قاری امداد علی (ایک ممتاز جہادی کارکن) اور ان جیسے بیسیوں دوسرے آزمودہ کار کارکنوں کی "گواہیاں" پڑھ کر عبرت ہوتی ہے۔ اور ان بیچاروں پر ترس آتا ہے، اللہ جانے کن کن دھمکیوں اور سختیوں کے بعد یہ غریب اس "گناہ" پر تیار ہوئے ہوں گے!! لغزش تو بہر حال لغزش ہے۔ مگر...... بعض ایسے موقعے آتے ہیں، کہ مجرم، پر غصے کے بدلے ترس آتا ہے۔ یہی حال راقم کا ان غریبوں کے ساتھ ہے۔ جانے، اُن حالات میں ہم ہوتے، تو کیا کرتے؟؟

ہاں! تو عرض یہ کر رہا تھا کہ گرفتاران بلا ان مقدموں کے اشتہاری مجرموں میں محدود نہیں۔ مثال کے طور پر مسعود خاں ساکن بوگرا (بنگال) کو لیجئے، یہ ۱۸۶۰ء میں گرفتار ہوئے اور ۱۸۸۳ء میں مولانا عبدالرحیم (ف ۱۳۴۱ھ) وغیرہ کے ساتھ رہا ہوئے۔(۱)

---

(۱) آخر میں صرف چھ ملزم جزائر انڈمان میں رہ گئے تھے۔ مولانا یحییٰ علی (ف ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۸) اور مولانا احمد اللہ بھی (ف ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۱) دونوں بھائی تو وہیں خواب استراحت میں مصروف ہیں۔ قاضی میاں جان انبالوی بھی وفات پا گئے (۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۵) ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں لارڈ رپن (۱۸۸۰ - ۱۸۸۴) وائسرائے ہند کے حکم سے جو لوگ رہا ہو کر وطن لوٹے، ان کے نام یہ ہیں۔
(i) مولانا عبدالرحیم (متہم مقدمہ انبالہ۔ ف ۱۳۴۱ھ) (ii) مولوی محمد جعفر تھانیسری متہم مقدمہ انبالہ ف ۱۹۰۵ء (iii) میاں عبدالغفار (متہم مقدمہ انبالہ۔ تقریباً ۱۳۲۳ھ) (iv) مولوی امیر الدین (متہم مقدمہ مالدہ) (v) مولوی تبارک علی (متہم مقدمہ پٹنہ۔ ف تقریباً ۱۳۱۶ھ) (vi) مسعود خان ساکن بوگرا (بنگال) (اسیر ۱۸۶۰ء)۔

مگر ان کی گرفتاری اور مقدمے کا کہیں ذکر نہیں آتا۔

ان کے علاوہ ان سینکڑوں بلکہ ہزاروں بے گناہوں کے مصائب کا اندازہ کرنے کے لئے، جو خلاف قانون جیلوں میں ڈال دئے گئے تھے، ہنٹر کا یہ بیان ملاحظہ کیجئے۔

"اس وقت [یعنی ۱۸۷۱ء میں] بنگال جیل میں ایک سفید ریش مسلمان ہے۔ جس کی زندگی ہر طرح پاک ہے، لیکن وہ انتہا پسند باغی ہے۔ تیس سال سے اس کی بغاوت کا حال معلوم تھا۔ اور وہ بھی جانتا تھا کہ اس کا حال چھپا ہوا نہیں۔ ۱۸۴۹ء میں اسے باضابطہ دھمکی دی گئی۔ ۱۸۵۳ء اور ۱۸۵۷ء میں اس کا اعادہ کیا گیا۔ ۱۸۶۴ء میں اسے مجسٹریٹ کی عدالت میں آخری طور پر نصیحت کے لئے بلایا گیا۔ اس نے ان تمام تنبیہوں کا ذرہ برابر خیال نہ کیا۔ آخر ۱۸۶۹ء میں وہ ذاتی حراست (Personal restraint) میں رکھا گیا۔ ایسے مقدمات کو نبٹانا بہت مشکل ہے۔ اپنے عقیدے کے مطابق متقی اور مخلص لوگوں کے خلاف کارروائی کرتے ہوئے حکومت خود گھبراتی ہے۔ کم از کم یہ کیا جا سکتا ہے کہ ان کا زہر دوسروں تک نہ پہنچنے پائے۔ اور وہ بھی صرف معمولی پابندی کے ساتھ"...... (ص ۱۰۹)

ایسی مثالیں اور بھی دی جا سکتی ہیں۔ پر جگہ اور وقت کی تنگی قلم روکنے پر مجبور کرتی ہے۔

ساتواں باب

اسیرانِ بلا کے مصائب اور ان کی استقامت

مجاہدین میں سے جو جام شہادت سے سیراب ہوئے۔ وہ دین و دنیا دونوں میں اچھے رہے۔ آخرت میں ان کے مرتبے کا حال تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ پر ایک دنیادار کی مادی نگاہیں بھی اتنا دیکھتی ہیں کہ وہ ایک غیر الٰہی نظام حکومت کے ناخدا ترس عُمّال کے جور و ظلم سے بچ گئے۔ جہاد سرحد کے شہید[1] اول باقر علی عظیم آبادی سے لے کر ان لاتعداد اور گمنام شہیدوں تک جو مختلف حملوں اور خونی معرکوں میں سفاک دشمن کے مشق ستم کا نشانہ بنے،

---

(۱) دیکھو سیرت سید احمد شہید، صفحہ ۱۲۰، طبع دوم، یہ حضرت سید شہید رح کے مرید اور مولانا ولایت علی صادق پوری کے چچازاد بھائی تھے۔ سیرت سید احمد شہید (صفحہ ۳۸۰) کے لائق مصنف نے سید صاحب رح کے خلفاء میں ان کا نام دیا ہے۔ خلافت کے متعلق تو قطعی طور پر نہیں کہہ سکتا، البتہ اتنا واقعہ ہے کہ یہ مولانا ولایت علی (ف سنہ ۱۲۶۹ھ) کے چچازاد بھائی تھے اور مولانا ولایت علی، مولانا عنایت علی (ف سنہ ۱۲۷۴ھ)، مولانا فرحت حسین (ف سنہ ۱۲۷۴ھ) اور مولوی قمرالدین شہید (بالاکوٹ، سنہ ۱۲۴۶ھ) وغیرہم سب کے ہمراہ حضرت سید صاحب رح سے بیعت ہو چکے تھے۔ جب سرحد پر سکھوں سے جنگ شروع ہوئی تو سب سے پہلے جو اللہ کا بندہ اس کی راہ میں کام آیا وہ یہی باقر علی عظیم آبادی تھے۔ رحمۃ اللہ و نور مضجعہ۔

سب نے اپنا اپنا حق ادا کیا، اور اللہ نے چاہا، تو وہ رضائے الٰہی سے سرفراز ہو چکے ہوں گے۔ مگر ان ہزاروں بے گناہوں کے غم و آلام کو بھی فراموش نہ کرنا چاہئیے، جو طرح طرح کی مصیبتوں سے دوچار ہوئے، قسم قسم کی اذیتیں برداشت کیں اور پھر آزمائش میں کامیاب اُترے یعنی ان کے قدم ہر منزل پر لغزش سے نا آشنا اور سینے نور ایمان سے روشن رہے، اور ان کے دل جذبہ فدویت سے کبھی خالی نہیں ہوئے .... ان مجاہدین راہ حق کی داستان درد بہت طویل ہے، اور درد انگیز بھی۔ قیدیوں اور جلا وطنوں کی روداد الم پڑھ کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سُننے والے شاید تاب نہ لا سکیں، اور نہ یہ حصہ صبر و ضبط کے ساتھ تفصیل کا محتاج تھا۔ سر دست ہم مولوی عبدالرحیم صاحب صادق پوری کی تذکرہ صادقہ اور مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کی تواریخ عجیب سے کچھ اقتباس پیش کرتے ہیں، جس سے ان مصائب کی ہلکی سی جھلک معلوم ہو گی، جو ان شیفتگان راہ صداقت پر توڑے گئے۔ ان دونوں صاحبوں نے جزائر انڈمان سے واپسی (سنہ ۱۸۸۳ء / ۱۳۰۰ھ) کے بعد یہ کتاب لکھی ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر وہ اپنے اصلی خیالات و تاثرات نہ ظاہر کر سکے ہوں گے[1]

---

(۱) ڈاکٹر محمود حسین خاں (حال ڈھاکہ یونیورسٹی) کا ایک مختصر مضمون "ہندوستانی وہابیوں کی سیاست" (The politics of the Indian wahhabis) مارننگ نیوز، کلکتہ کے عید نمبر (۱۹۴۲ء / ۱۳۶۱ھ) میں شائع ہوا ہے۔ اس میں انھوں نے مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کو ان لوگوں میں شمار کیا ہے، جو یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ "سید صاحب رح کو انگریزوں سے مطلق پرخاش نہیں تھی اور مسلمانوں کو اس حکومت سے کوئی شکایت نہیں۔" مولوی محمد جعفر صاحب رح اور مولوی عبدالرحیم صاحب، دونوں نے اس طرح کی باتیں ضرور لکھی ہیں، مگر ان کی کتابوں کا پڑھنے والا یہ محسوس کر لیتا ہے "کہ فلاں بات کیوں کہی گئی ہے؟" اور "بین السطور" سے تو تمام باتیں سمجھ میں آجاتی ہیں۔ ڈاکٹر محمود حسین خان اس "پس منظر" سے ناواقفیت کے باعث یہ رائے قائم کرنے میں معذور سمجھے جا سکتے ہیں۔

پھر بھی ضمنی طور پر ان بزرگوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے نشان راہ کا پتہ لگتا ہے، اور مجاہدین کی مصیبتوں کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالرحیم اور ان کے رفقا پہلے انبالہ جیل میں رکھے گئے، جہاں ان کا مقدمہ ایک عرصے تک چلتا رہا، وہاں ان کے ساتھ جو برتاؤ ہوا، وہ مولوی عبدالرحیم رح صاحب کی زبانی سنئے۔۔

".....ہر ایک علیحدہ علیحدہ ایک کوٹھری میں کہ جس کو سنگین کوٹھری کہتے ہیں، بند کر دئے گئے۔ وہ کوٹھری پانچ فٹ لانبی اور چار فٹ چوڑی ہوگی! اور چھت اس کی نہایت بلند اور اوپر چھت کے ایک چھوٹا سا روشن دان تھا کہ آدمی اس میں سانس لے سکے۔ نہایت تنگ و تاریک تھی۔ اس کوٹھری میں تقریباً ڈھائی تین مہینے ہم لوگ رہے۔ جملہ گیارہ آدمی تھے۔ شب و روز میں ایک بار اس کا دروازہ کھلتا اور ایک جمعدار، اور تین سپاہی، اور ان کے ساتھ ایک باورچی کہ جس کے ہاتھ میں روٹیاں اور دال ہوتیں، اور ایک سقہ کہ جس کے مشک میں پانی ہوتا اور ایک بھنگی ہاتھ میں گملا لئے ہوئے آتا۔ اور ہر ایک کوٹھری کو کھولتا۔ باورچی دو روٹیاں اور کچھ دال دے دیتا اور سقہ ایک کوزہ پانی دیتا اور بھنگی گملا صاف کر دیتا اور پھر یہ لوگ چلے جاتے۔ جو جو تکلیفیں اس میں گذریں، اس کا بیان طول ہے اور فضول۔ بعد تین مہینے کے جب مقدمہ ہم لوگوں کا اجلاس میں صاحب مجسٹریٹ کے شروع ہوا۔ اس وقت ہم گیارہ آدمی قبروں سے نکال کر ایک مکان حوالات میں جمع کر دئے گئے۔ جو اسی جیل خانہ میں تھا۔ بعد تین مہینے کے ہم لوگوں سے

آسمان کی صورت دیکھی اور ایک کو دوسرے سے ملاقات ہوئی۔ از حد خوشی حاصل ہوئی۔"

(تذکرہ صادقہ:۔ صـــ ۹۸ــ۹۷)

آج کل تو قید خانوں میں سیاسی ملزموں کے لئے 'درجے' مقرر ہیں۔ تیسرے درجے میں بھی سیاسی قیدیوں کے ساتھ حیوانوں کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ لیکن ان علماء مجاہدین کو جیل میں پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں دیا جاتا تھا اللہ کے بندے انبالہ جیل میں گھاس پتوں پر گذارا کرنے پر مجبور ہوئے:۔

"اس قدر بھوک کا غلبہ سب لوگوں کو رہتا کہ دو دو روٹیاں سرکار سے ملتیں۔ ان کے کھانے سے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا کہ کچھ کھایا بھی ہے یا نہیں؟ جیل میں جس قدر گھاس تھی۔ مع بیخ اکھاڑ کر قیدی لوگ چٹ کر گئے۔ ہر طرف سے 'الجوع الجوع' ہائے بھوک کا شور تھا۔"

(صـــ ۴۳ـــ)

انبالہ میں سزا پانے کے بعد اسیران بلا لاہور جیل کو منتقل کئے گئے، مگر کس شان سے؟ مولوی محمد جعفر صاحب لکھتے ہیں:۔

"۲۲ر فروری ۱۸۶۵ء کو ہم جیل لاہور کو روانہ ہوئے۔ گیروا لباس جوگیانہ صورت کمبل اوڑھے ہوئے بیڑی ہتھکڑی کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہم منزل در منزل کوچ در کوچ چلے جاتے تھے۔ دو ایک گاڑیاں بھی ہمارے ساتھ تھیں۔ بقدر تیس چالیس قیدیوں کے ہم جیل انبالہ سے روانہ ہوئے تھے۔ سب پاپیادہ چلتے تھے۔ جب کوئی تھک جاتا تو اس کو گاڑی پر بھی سوار کر لیتے تھے۔ ورنہ پاپیادہ خلخال آہنی کو چھن چھناتے چلے جاتے......"

(تواریخ عجیب:۔ صـــ ۴۹ـــ)

لاہور پہنچ کر گرفتاران الم کی مصیبتوں میں اور اضافہ ہوگیا۔

"قریب تین بجے شام کے ہم لوگ سنٹرل جیل لاہور کے دروازہ پر پہنچے اور ہمارے چالان کے کل قیدی ایک قطار کر کے دروازہ جیل پر بٹھلا دئے گئے۔ اول ایک کشمیری ہندو داروغہ آیا۔ اس نے پہلے ہمارے مقدمہ والوں کو بغور تمام دیکھا اور کسی قدر افسوس بھی کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر گرے صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل رونق افروز ہوئے۔ انھوں نے سب سے اول ہم لوگوں کا ملاحظہ کیا اور بڑے غصہ سے حکم دیا کہ ایک آڑا ڈنڈا ابھی ان لوگوں کے پاؤں میں ڈال دو۔ چنانچہ بمجرد صدور اس حکم کے لوہار ڈنڈے آہنی لے کر حاضر ہوگئے۔ اور ہمارے دونوں پاؤں کے دونوں کڑوں کے درمیان سے ایک ایک آڑا ڈنڈا جو ایک فٹ سے زیادہ لمبا نہ تھا۔ ڈال دیا گیا۔ یہ حکم ازراہ تعصب فقط ہم ہی لوگوں کے واسطے تھا اور تمام جیل گھر میں ہم نے کسی قیدی کے پاؤں میں یہ ڈنڈا نہیں دیکھا۔ چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہوگیا اور رات کو پاؤں پسار کر سونا بھی محال تھا۔ (صفحہ ۵۰)

یہ تو لاہور جیل کا عطیہ تھا۔ انڈمان جاتے ہوئے، ملتان اور کراچی کے درمیان ایک اور زنجیر کا اضافہ ہوا۔

"اور سوا بیڑی اور ہتھکڑی اور ڈنڈے کے، جو پہلے سے سب زیب تن تھے، یہاں ایک بڑی موٹی زنجیر آہنی بھی ہماری بیڑیوں کے بیچ میں پہنائی گئی، جس سے اپنی اپنی جگہ سے کوئی ہل [نہ] سکتا تھا۔ جب تک ہم جہاز پر رہے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے پاخانہ پیشاب کرتے رہے۔ اس وقت قریب

آدھا آدھا من کے لوہا ہمارے جسم پر تھا۔ باوجود اس قدر کثرت پانی کے کہ دریا شدہ ہمارے تیر پا تھا۔ ہم پڑے پڑے تیمم سے نماز پڑھتے تھے ...۔" (ص ۵۳)

ان مظالم کے علاوہ مقدمہ کے دوران میں گرفتاران بلا اور ثابت قدم گواہوں پر جو سختیاں کی گئیں، وہ بیان سے باہر ہیں۔ مثال کے طور پر ایک دو واقعے لکھے جاتے ہیں:۔

"..... لیکن اکثر گواہ گواہی دیتے وقت بھی ہمارے منہ کو دیکھ کر زار زار روتے بھی جاتے تھے، مگر بے بس۔ اگر گواہی نہ دیویں، تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا......... اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ عباس نام ایک لڑکا جو مدت تک میرے گھر میں رہ کر پرورش پایا تھا۔ جب مجسٹریٹی میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت کے جھوٹا اور آموختہ بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اسی روز رات کو اس کو ایسی سخت سزا کی گئی کہ وہ بچہ اسی صدمہ سے قبل از درپیشی مقدمہ سشن کے مرگیا.....۔" (ص ۳۵)

یہ تو پیشی کے دوران کے مظالم تھے۔ مقدمے کی پیشی سے پہلے بعض بزرگوں پر جو ناروا مصیبتیں روا رکھی گئیں ان کے سننے کے لئے پتھر کا کلیجہ چاہئیے۔ مولوی محمد جعفر صاحب اپنی آپ بیتی لکھتے ہیں۔ پڑھئے اور اپنا ایمان تازہ کیجئے:۔

"..... دوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب ...... آئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سب حال بتلادو۔ تمہارے واسطے بہت بہتر ہوگا ..... پارسن صاحب نے مجھ کو پہلے بہت دھمکایا اور پھر مارنا بھی شروع کیا۔

جب میری مار حد کو پہنچی اور میں گر پڑا .... اور جب اس قدر مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا۔ تو وہ سب کے سب مایوس ہو کر چلے گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ظلم اور تعدی کی دیکھی، تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے۔ میرے ذمہ کچھ روزے رمضان کے باقی تھے۔ دوسرے دن سے ان کی قضا رکھنی شروع کر دی۔ اس کے بعد پارسن صاحب انھیں ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گئے۔ اور وہاں فہمائش سے مایوس ہو کر انھوں نے اپنی آخری حسرت بھی نکال لینا چاہی۔"

"........ میں نے اس چاپلوسی پر بھی انکار کیا۔ تو پھر پارسن صاحب ...... مجھ کو ایک الگ کمرے میں لے گئے۔ جہاں لے جا کر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک لکھوں ؟ آٹھ بجے فجر سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شائد کسی پر ہوئی ہو، لیکن بفضلِ الٰہی میں سب سہار گیا۔ مگر اپنے رب سے ہر دم یہ دعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے، تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھیو ......" (صـ۸)

یہ صبر آزما حالات تھے، جن میں ان مردانِ خدا نے استقامت و ضبط کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اور یہی تکلیفیں تھیں، جن سے گھبرا کر محمد شفیع، الٰہی بخش وغیرہ بعد کو سرکاری گواہ بن گئے، مگر ان سب میں ایک اللہ کا بندہ ایسا تھا، جو سب سے ممتاز تھا۔ اس کی استقامت میں صحابہ کرام کا رنگ جھلکتا تھا۔ اس کی للّٰہیت، جان سپاری اور فدویت "عبدیت" کے اس مقام تک پہنچ گئی تھی، جس کا تصور بھی اس دور میں مشکل ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

میری مراد مولانا یحییٰ علی رح جعفری صادق پوری سے ہے، یہ سید صاحب رح کے رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے حالات پڑھ کر میں حضرت خبیب رض، حسین بن علی (رضی اللہ عنہم) اور احمد بن حنبل رح (ف ۲۴۱ھ) کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جب سے ہوش سنبھالا۔ اپنے امیر مولانا ولایت علی (ف ۱۲۶۹ھ) کی بیعت کبھی نہ چھوڑی۔ سفر، حضر میں ہمیشہ ان کے ساتھ رہے۔ گلاب سنگھ سے جو لڑائیاں ہوئیں، ان میں بھی آپ شریک تھے۔ دوسری مرتبہ بھی سفر کئے اور سرحد میں آپ ساتھ رہے ـــــ پھر نظم جماعت کا کام آپ نے اپنے ہاتھ میں لیا۔ مولانا عنایت علی رح (ف ۱۲۷۴ھ) مولانا فرحت حسین رح (ف ۱۲۷۴ھ) اور شاہ محمد حسین صاحب رح (ف ۱۲۷۵ھ) خلفائے سید شہید رح کے پے درپے وفات کی وجہ سے تنظیم و تبلیغ کا سارا بار آپ کے کندھوں پر پڑ گیا، جسے آپ حیرت انگیز قابلیت اور معاملہ فہمی کے ساتھ اپنی گرفتاری کے وقت (۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء) تک چلاتے رہے۔ جیل اور قید میں بھی آپ کا رنگ سب سے الگ تھا۔ تکلیفیں اوروں نے بھی برداشت کی۔ پر حسین بن علی رض اور احمد بن حنبل رح کا مقام ہی اور ہے۔ تیرھویں صدی ہجری کے احمد بن حنبل، مولانا یحییٰ علی رح کے صبر و استقامت کا حال سنیئے:۔

"ہمارے حضرت مولانا کا صبر و استقلال اس وقت کا قابل دید تھا۔ شب کو میں اور آپ ایک ہی جگہ رہتے۔ آپ پچھلی شب حسب معمول نماز، دعا وغیرہ میں مشغول رہتے۔ اور اکثر اشعار عاشقانہ، دیوان شاہ نیاز و حافظ وغیرہ کا پڑھتے اور ایک نہایت وجدی کیفیت آپ پر طاری ہوتی۔

ہم لوگ سب ہوش باختہ ہوتے اور آپ نہایت مسرور و خوش۔ آپ کے چہرہ و بشرہ سے کچھ بھی آثار رنج و محن کے پائے نہیں جاتے۔ ذکر اللہ سے رطب اللسان رہتے۔ آپ اکثر اس شعر سے بھی جو حضرت خبیب صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے، مترنم ہوتے۔

ولست اُبالی حین اُقتل مسلماً — علی اَیِّ شق کان فی اللّٰہ مصرعی

و ذالک فی ذات الالٰہ وان یشأ — یبارک علی اوصال شلو ممزع

[جب میں اسلام کی حالت میں قتل کیا جاؤں، تو مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس پہلو میری جان نکلتی ہے۔ یہ سب اللہ کی راہ میں ہے، وہ چاہے تو بوسیدہ ٹکڑے ٹکڑے جسم کے اعضاء میں برکت اور بالیدگی دے۔]

میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ جن سے آپ کی اس کیفیت وجدی اصبر و شاکر کا ایک کرشمہ بھی بیان کرسکوں اور اس کی تصویر کھینچ کر ہدیہ ناظرین کرنا تو محال ہے۔" (تذکرہ صادقہ:۔ ص۸۲)

ایک معمولی سا واقعہ ہے، معمولی اس لحاظ سے کہ سب اسیران بلا صبر شکر کے ساتھ برداشت کر گئے۔ مگر ایک عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اس کا کچھ اور ہی اثر ہوا۔ جب انبالہ میں پھانسی کی سزا حبس دوام سے بدل دی گئی اور ان مشتاقان شہادت کو حکومت نے بزعم خود "محروم" رکھنا چاہا، تو ان کو عام قیدیوں کے ساتھ کر دیا گیا اور لباس وغیرہ میں تبدیلی کے ساتھ داڑھیاں بھی کتر دی گئیں۔ اس کا مولانا پر جو اثر ہوا، اس کا حال سنیئے اور سینوں پر

ہاتھ رکھ کر اپنے ایمان کا جائزہ لیجئے۔

"۱۶ ستمبر [۱۸۶۴ء] کو ڈپٹی کمشنر صاحب پھانسی گھروں میں تشریف لائے اور چیف کورٹ کا حکم پڑھ کر سنایا کہ تم لوگ پھانسی پڑنے کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو۔ اس واسطے سرکار تمہاری دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمہاری پھانسی سزائے دائم الحبس بعبور دریائے شور سے بدلی گئی۔ بمجرد سنانے اس حکم کے پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا اور جیل خانہ کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری داڑھی، مونچھ اور سر کے بال تراش کر منڈی بھیڑ سا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی داڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔"

(تواریخ عجیب صفحہ ۴۲)

مولانا کا صبر و استقلال ہر منزل اور ہر قدم پر یکساں تھا۔ پھانسی کی سزا ہو چکی ہے۔ قید تنہائی سے سرفراز ہیں۔ مگر سنت یوسفی سے غافل نہیں جب بھی موقع ملتا ہے، اللہ کا پیام پہنچانے سے باز نہیں آتے۔

"...... چنانچہ ہمارے حضرت اس قید تنہائی میں پھر تخمیناً دو ڈھائی مہینے رہے اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان ایام کو آپ نے بسر کیا، اور جب کوئی سپاہی پہرے والا یا اور کوئی سپاہی یا قیدی آپ کے سامنے آجاتا۔ ہندو یا مسلمان، سب کو آپ توحید باری کا وعظ سناتے اور عذاب آخرت و قبر وغیرہ سے ڈراتے۔ ...... سپاہی جو پہرے کے واسطے

آتا وہ سکھ ہوتا یا گورکھا اور مسلمان نہ ہوتا [تو] آپ اس آیت کریمہ کا وعظ سناتے

"یٰصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللّٰہ الواحد القہار"[(1)] سپاہی کھڑا روتا اور جب اس کے پہرے کی بدلی ہوتی، تو اس صحبت کو چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا۔ میں کچھ نہیں لکھ سکتا کہ کس قدر فائدہ اس وقت پہرے والوں کو پہنچا اور کتنے موحد ہو گئے اور کتنے دین آبائی کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے لا یعلمہ الا اللّٰہ...... آپ کا جسم مبارک قیدی تھا، مگر آپ کے دل و زبان آزاد تھے۔ اس پر کسی کی حکومت نہ تھی بجز اس حاکم حقیقی کے۔ اگر دو منٹ کے واسطے بھی کوئی آدمی سامنے آجاتا، آپ امر بالمعروف، و نہی عن المنکر بجا لاتے......" (تذکرہ صادقہ، ص۱۰۸)

ابھی آپ "داڑھی کتروانے" کا حال پڑھ چکے ہیں۔ اب تشدد اور مشقت پر بھی ذرا اس "مرد مومن" کی استقامت کا حال سنیئے۔

"صبح کو کپتان ٹائی صاحب مجسٹریٹ و ڈپٹی کمشنر انبالہ و پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس جیل میں آئے۔ اور داروغہ کو حکم دیا کہ مولانا سے سخت تر مشقت لی جاوے۔ چنانچہ خود اس نے اپنے روبرو کھڑے ہو کر ایک بڑے کنوئیں پر جو رہٹ چل رہا تھا۔ عین تمازت آفتاب میں اس رہٹ کو آٹھ دس قیدی چلا رہے تھے۔ آپ کو بھی اس میں دے دیا۔ آپ دو تین روز تک تمام روز اس کو چلاتے رہے۔ آپ کو بباعث حرارت آفتاب خون کا پیشاب آنے لگا۔ آپ نہایت صبر و شکر سے اس کو انجام دیتے رہے..." (ص۱۲۲)

---

(1) یوسف ۳۹۔ متفرق معبود اچھے یا ایک معبود برحق جو سب سے زبردست ہے وہ اچھا؟

بعد میں جب جیل کا ڈاکٹر آیا، تو اس نے داروغہ جیل کو از خود تنبیہ کی۔ اور مولانا رح کو ایک دوسرے ہلکے کام میں لگایا گیا۔

اس کے بعد امتحان کا ایک دوسرا موقع آتا ہے۔ حکومت مولانا یحییٰ علی رح کے بڑے بھائی مولانا احمد اللہ رح (ف در انڈمان سنہ ۱۲۹۸ھ) پر مقدمہ چلانا چاہتی ہے۔ انبالہ کے سزا یافتوں کو طرح طرح سے ورغلایا جا رہا ہے۔ محمد شفیع، عبدالکریم اور الٰہی بخش کے قدم ڈگمگا چکے ہیں۔ طرح طرح کی ترغیبیں دی جا رہی ہیں۔

"...... وہ عجیب وقت تھا کہ ادھر تو ہم لوگ انواع قسم کے آلام و مصائب میں مبتلا اور پھر عذاب الجوع؛ اور ادھر وہ راحت و آرام و تنعم، گویا نمونہ قیامت تھا کہ ایک طرف جنت اور دوسری طرف دوزخ نظروں کے سامنے رکھی تھی۔ وہ وقت پرلے سرے کی جانچ اور امتحان کا تھا۔ اس وقت پر آیۂ کریمہ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا کا مضمون خوب صادق آتا ہے.......... ہر ذی ایمان رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ، کہتا تھا۔ ہمارے حضرت باطمینان قلب نہایت خندان و شادان و فرحاں یاد الٰہی میں اور لوگوں کو استقامت دلانے میں شب و روز مصروف رہتے۔ دنیائے دوں کی بے ثباتی اور اس کے راحت و آرام کی بے قراری اور ثواب آخرت اور جنت نعیم کی پائداری یاد دلاتے اور رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ کو خوب کھول کر فرماتے......" (ص [illegible])

داستان طویل ہوتی جاتی ہے۔ اور "سخنہائے گفتنی" کی کوئی حد نہیں۔ خامہ بحالِ قلم حیران ہے، کیا چھوڑے اور کیا لکھے؟...... بہرحال مولانا رح کے صبر و شکر کی ایک اور مثال پیش کر کے یہ سلسلہ ختم کرتا ہوں۔

۱۸۶۵ء میں جب صادق پور کے مسکونہ مکانات اور قبریں تک کھود کر پھینک دی گئیں۔ تو اس وقت اچھوں اچھوں کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔ اور اسیرانِ بلا کے لئے بھی صبر و ضبط کا قائم رکھنا مشکل ہو گیا تھا۔ مولانا یحییٰ علی رح کو اس "حادثے" کی خبر وہیں جزائر انڈمان میں ملتی ہے۔ اور صبر و شکر کے ساتھ اپنی اہلیہ اور اہلِ خاندان کو صبر و ضبط کی تلقین کرتے ہیں۔ مولانا رح کے مکتوب کے اقتباسات پڑھئے اور کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر سوچئے کہ ایسے میں ہمارا کیا حال ہوتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؁

"یحییٰ علی کی طرف سے بخدمت حبیبہ ام محمد یوسف[1] سلمہما اللہ تعالیٰ۔

.... ضروری لکھنا یہ ہے کہ خط سے نورِ چشم محمد حسن[2] مد عمرہٗ کے حال انہدام دونوں مکانوں کا معلوم ہوا۔ البتہ دل کو قلق ہوا اور صدمہ بہت گذرا کیونکہ مکان سکونت قدیم سے خصوصاً وہ مکان کہ جس میں ذکر اللہ بہت ہوا ہو اور کاروبار فریضہ بہت اجرا پائے ہوں، مومنین کو انس و محبت بطور اہل و عیال کے ہوتی ہے۔ اسی روز شب کو زیارت روحِ انور سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشرف ہوا، تبسم کناں فرمانے لگے۔

---

(۱) شمس العلماء مولانا محمد یوسف صاحب رنجور عظیم آبادی (ف ۱۳۴۱ھ) خلف مولانا یحییٰ علی رح۔
(۲) شمس العلماء محمد حسن صاحب ذبیح (ف ۱۳۰۳ھ) خلف مولانا ولایت علی رح (ف ۱۲۶۹ھ)

کہ البتہ انہدام سے مکانوں کے مالکان مکان کو خصوصاً نسوان کو رنج والم بہت ہوا ہے اور ہونے کی جگہ ہے اور ان آیات کریمہ کو زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ و انا الیہ راجعون ۰ اولئک علیہم صلوات من ربہم ورحمۃ واولئک ہم المھتدون[1] ۰ ربنا افرغ علینا صبراً وتوفنا مسلمین عسی ربنا ان یبدلنا خیرا منہا انا الی ربنا راغبون[2] ۰ اور فرمایا کہ ان آیات کریمہ کو ورد زبان رکھو۔ عبادت خانے اور مسجد اقصی اور مکانات انبیاء علیہم السلام بخت نصر اور جالوت کے ہاتھ سے انہدام پاتے تھے۔ آخر منہدم کرنے والے نسیاً منسیاً ہوئے اور یہ اماکن متبرکہ از سر نو بنا ہوئے اور پہلے سے زیادہ آباد ہوئے۔ تم بھی اپنے رب کے فضل سے ایسا ہی امید رکھو......... اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ دشمنان خدا ان کے دوستوں کو اچھی طرح ستائیں۔ بعد اس کے اچھی طرح بدلہ پاویں......... اللہ تعالےٰ کا بہت شکر کرو کہ تم ایسے امتحان کے لائق ٹھیرے"۔.........

---

(۱) البقرۃ۔ ۱۵۲-۱۵۱۔ پھر جو لوگ ایسے ہیں کہ صبر کرنے والے ہیں؛ تو انھیں (فتح و کامرانی کی) بشارت دے دو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی مصیبت ان پر آپڑتی ہے تو ان کی زبان حال کی صدا یہ ہوتی ہے کہ انا للہ وانا الیہ راجعون، سو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن پر ان کے پروردگار کے الطاف و کرم ہیں اور جو اس کی رحمت کا مورد ہوتے ہیں اور یہی ہیں جو اپنے مقصد میں کامیاب ہیں۔ (ترجمان القرآن)

(۲) اے ہمارے پروردگار ہمیں صبر کی نعمت سے شادکام فرما اور ہمیں اسلام کی حالت میں اس دنیا سے اٹھا۔ شاید ہمارا پروردگار ہمیں اس کا اچھا بدل دے۔ ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔

...... بعد از فراغ اس مکاشفہ میں نے بہت انشراح و تسکین پایا
اور اپنے بڑے بھائی [مولانا احمد اللہؒ] کو آگاہ کیا ؎

دریائے عشق خالق دونوں جہاں ہیں ہم — تام و نشان دار فنا کے ڈبو چکے
کفنی گلے میں ڈال کے تسمہ کمر پے بیچ — ہم جوگی ہوئے محرم اسرار کے لئے
اے خدائے من فدایت جان من — جملہ فرزندان خان و مان من .... الخ الخ

(اقتباس از مکتوب مورخہ ۲۱ جمادی الاولیٰ
روز یکشنبہ [۱۲۸۳] ۱۸۶۶ء

آٹھواں باب

ظاہری ناکامی کے اسباب

کامیابی ناکامی؟

سید شہید رح ان کے اصحاب خاص اور ان کی جماعت کے کارنامے پڑھ کر ذہن میں پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریک ناکام کیوں ہوئی؟ اور جب ایسی جماعت جو اپنی سیرت اور کردار کے لحاظ سے صحابہ کرام رض کی سیرت و کردار کا نمونہ تھی، ناکام رہی، تو پھر کسی دوسری جماعت کی کامیابی اور منزل مقصود تک پہنچنے کا کیا امکان ہے؟ یہ سوال پیدا ہونا طبعی بات ہے۔ اور راقم سے اچھے اچھے اصحاب[1] علم نے یہ سوال کیا ہے کہ سید صاحب رح اور مولانا شہید رح کی ناکامی کے بعد اس راہ پر قدم بڑھانے کی جرات کیسے پیدا ہو سکتی ہے؟ حکومت 'علیٰ منہاج النبوۃ' کا نام لینا آسان ہے مگر کرنا مشکل" انھوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ "اب[2] اللہ کی سرزمین پر اس کا نام سربلند ہو ہی نہیں سکتا" اب 'اسلام' کا کام صرف یہ رہ گیا ہے کہ وہ کسی دوسری

---

(۱)، (۲)۔ یہ فرضی اقوال نہیں، بلکہ اسلامی ہند کے ممتاز ترین شخصیتوں کی رائیں ہیں۔ نام لینا مناسب نہیں، اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

چلتی ہوئی تحریک کا ضمیمہ بن کر رہ گئی ہے۔ اسی ناکامی کے غیر اسلامی تصور نے بعض[1] اکابر ملت کو مسلمانوں کی تقدیر (Destiny) سے مایوس کر دیا ہے" بعض دلوں میں مایوسی تجربہ اور استقراء کا چولا بدل کر کہتی ہے کہ یہ[2] قوم اب عقیم ہو چکی ہے۔ ......

ایک خطاکار اور ناآشنائے راہ و رسم منزل، جب بزرگوں کی زبان سے یہ باتیں سنتا ہے تو حیرت ہوتی ہے۔ اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق تسکین و توجیہ کی کوشش کرتا ہے۔

(ا) سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہماری کامیابی اور ناکامی کا تصور دنیا کے عام تصورات سے بالکل الگ ہے۔ ہم اس خاکدان ارضی میں عبد بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے آقا اور مولا کی رضامندی اور اس کے قوانین کے اجراء کی کوشش میں لگے رہیں۔ مقصود کو پالینا ہمارا کام نہیں یہاں کام کوشش کرنا اور ذہنی و جسمانی قویٰ کو حرکت میں لاتے رہنا ہے۔ منزل تک پہنچانا اس کا کام ہے۔ جس نے ہمیں اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے دنیا میں غلام بنا کر بھیجا ہے۔ اس لئے ایک مومن قانت کے دل میں دنیوی کامیابی و ناکامی کا سوال پیدا ہی نہیں ہونا چاہئے۔ اپنے مولا کی رضا میں لگے رہنا سو کامیابیوں کی ایک کامیابی ہے۔

(اا) دوسری چیز قابل غور یہ ہے کہ کیا یہ تحریک بالکل ناکام رہی ؟ کیا

---

(۱) و (۲) یہ فرضی اقوال نہیں، بلکہ اسلامی ہند کے ممتاز ترین شخصیتوں کی رائیں ہیں۔ نام لینا مناسب نہیں، اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

شاہ ولی اللہؒ (ف ۱۱۷۶ھ) اور ان سے پہلے اسلامی ہند کی جو دینی حالت
تھی، اس میں "شہیدینؒ" اور ان کے اصحاب باصفا کی کوششوں اور قربانیوں
سے کوئی فرق نہیں پیدا ہوا؟ کیا آج بھی بیوہ عورتوں کا نکاح ثانی اسی طرح
معیوب و مذموم سمجھا جاتا ہے؟ کیا آج بھی متبع سنت عالموں کے گھروں میں
'السلام علیکم' کے بدلے "آداب عرض کرتا ہے" کی صدا بلند ہوتی ہے؟ کیا آج
بھی خواص اور اہل علم و عمل طبقوں میں اجمیر اور دیوہ کی زیارت 'حج' کے برابر
سمجھی جاتی ہے؟ اور کیا سوا ڈیڑھ سو برس سے آج تک مسلسل 'مردانِ کار' کا
ایک گروہ (خواہ کتنا ہی مختصر سہی) اللہ کے نام پر گھر بار لٹاتا نہیں رہا ہے؟ کیا
آج بھی شرک و بدعات کی گرم بازاری کا وہی حال ہے؟ اور کیا "شہیدینؒ"
سے پہلے بھی برملا طریقے پر حکومت الٰہیہ اور خلافت علی منہاج النبوۃ کی صدا
عام سننے میں آتی تھی؟ .... اگر ان سب کا جواب اثبات میں
ہے، تو پھر ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ناکامی کسے کہتے ہیں؟ اور اگر اسی کا نام
"ناکامی" ہے، تو ایسی "ناکامی" پر ہماری ہزاروں کامیابیاں قربان ——
کہنا یہ ہے کہ حضرت سید شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ اور ان کے اصحاب
خاص کی تحریک دعوت و جہاد سے "بحر ہند" کی ساکن سطح میں جو تموج پیدا
ہوا ہے، اس کی لہریں آج تک باقی ہیں اور "بزم آرایان" ساحل کو دور
سے ہم آغوشی ہونے کی برابر دعوت دے رہی ہیں۔ اگر اس تحریک کے
ہزاروں فیوض و برکات کے علاوہ صرف یہی ایک فائدہ ہوا ہوتا تو بھی
اسے ناکام نہیں کہا جا سکتا۔ ورنہ یہاں تو یہ حال ہے کہ موجودہ [illegible]

سے کے جتنے روشن اور خوش منظر گوشے نظر آتے ہیں، سب کے سب اسی تحریک کے فیض سے مستفیض اور اسی کی روشنی سے اُجاگر ہوئے ہیں۔

(iii) لیکن ہمیں اسی قدر پر قناعت نہیں کرنا ہے، بلکہ کمر ہمت کو چست باندھ کر محمل کو آگے بڑھانا ہے۔ اور اس لئے ضروری ہے کہ اس عظیم الشان تحریک کی ظاہری اور دینوی کامیابی کی راہ میں جو دشواریاں رکاوٹ ثابت ہوئیں، ان سے دامن بچا کر سفر شروع کیا جائے۔ نیز اس تحریک کے علمبرداروں سے جو مساحمتیں یا فروگذاشتیں ہوئی ہوں، ان کا جائزہ لیا جائے اور آنے والوں یا ساتھ کے چلنے والوں کو ان سے آگاہ کر دیا جائے۔ ممکن ہے، اس سے خوش عقیدہ لوگوں کو کچھ تکلیف بھی ہو، لیکن اگر اس ساری داستان سرائی سے مقصود محض "پدرم سلطان بود" کا آموختہ پڑھنا نہیں ہے، تو پھر مستقبل کی کامیابی کے لئے ماضی کی کوتاہیوں اور فروگذاشتوں کا بے لاگ جائزہ لینا ضروری ہے۔

(الف) سب سے پہلی چیز جو اتباع سید شہید رح کی تاریخ کے مطالعے سے واضح ہوتی ہے وہ یہ کہ انھوں نے جس علاقے (ہندوستان کا سرحدی صوبہ اور ماورائے سرحد کا علاقہ) کو اپنی جولان گاہ اور سرگرمیوں کا مرکز بنایا، وہاں کے باشندوں کی تعلیم و تربیت کا انھوں نے کوئی انتظام نہیں کیا۔ فوری تبلیغ و تحریص سے بعض قبیلے ہم نوا ہوئے، مگر جونہی موقع ملا، دھوکا دینے میں انھیں ذرا بھی جھجک نہیں پیدا ہوئی۔ اور جب فتح پشاور کے بعد اسلامی قانون نافذ کیا گیا، تو ان کی قبائلی عصبیت اور رچی بسی ہوئی جاہلیت بھڑک اٹھی۔

جس کے نتیجے میں مجاہدین کا قتل عام ہوا، اور جیتی ہوئی لڑائی شکست سے بدل گئی۔ قانون اسلامی کے نفاذ کے لئے مسلمان رعایا بھی مطلوب ہے۔ فاشستی یا ناستی آمریت کے نوسفے پر الٰہی قانون پر عمل درآمد نہیں کرایا جا سکتا۔ اس کے لئے رعایا اور عام آبادی کی طرف سے تعاون اور لبیک شرط ہے۔

اسلامی حکومت کی رعایا ایک دن میں نہیں بنتی۔ اس کے لئے مدت دراز تک دعوت و تبلیغ اور اس سلسلے میں اذیتوں کا برداشت کرنا ناگزیر ہے۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اس تدریج کا مکمل نمونہ موجود ہے۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ پشاور کے قتل عام اور خوانین کی غداری کے بعد بھی مجاہدین کو اپنی اس غلطی کا احساس نہیں ہوا۔ اور وہ سالہا سال تک اسی علاقے کو اپنی فداکاریوں کا مرکز بنائے رہے، حالانکہ انہیں ہر دور میں اور ہر لڑائی میں قبائل نے دھوکے دئیے۔ مولانا عنایت اللہ غازی رح (ف ۱۲۷۴ھ / ۱۸۵۸ء) مولانا عبداللہ رح (ف ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء) ہر ایک کو اس قسم کے دھچکے لگتے رہے، مگر انہوں نے ان علاقوں کو نہ چھوڑا اور نہ ان قبائل کی باضابطہ اسلامی تربیت کی طرف توجہ کی۔ بہت ممکن ہے کہ مولانا ولایت علی رح (ف ۱۲۶۹ھ / ۱۸۵۲ء) کے بعد اسلامی انقلاب کا صحیح تصور بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہو۔

قبائل کی مسلسل غداریوں کے باوجود ان علاقوں میں "مجاہدین مرابطین" کے جمع رہنے کی ایک وجہ اور سمجھ میں آتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ مقدمہ سازش انبالہ (۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ء) تک اہل صادق پور اصحاب قافلہ (ٹونک) اور عام مجاہدین و معتقدین پر سید صاحب رح کی شہادت کا مسئلہ واضح نہیں ہوا تھا

اور وہ شمالی مغربی پہاڑیوں سے سید شہید رح کے دوبارہ ظہور کی توقع رکھتے تھے۔ ممکن ہے خوانین و قبائل کی غداری کے باوجود ان پہاڑی علاقوں میں جمع رہنے پر اس خیال کا بھی دخل ہو۔ یہ راقم کی ذاتی رائے ہے، جس پر اصرار نہیں۔

(ب) دوسری اہم چیز جو اس دعوت اور اس کے ماننے والوں کی سیرت میں کھٹکتی ہے، وہ ان کا امیر کی ذات میں غلو ہے۔ اور عجیب تر بات یہ ہے کہ مولانا اسماعیل شہید رح جیسے عالم اور مجاہد بھی حضرت سید شہید رح کے متعلق ایسے ایسے القاب[۱] و الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ پڑھ کر خیال ہوتا ہے کہیں کسی معصوم کی توصیف تو نہیں بیان کی جا رہی ہے؟ شخصیت میں غلو کا نتیجہ یہ ہوا کہ سید صاحب رح کی شہادت کے بعد ہی "غیبوبت" کا شاخسانہ کھڑا ہو گیا۔ اور اس میں بڑے بڑے عالموں اور مجاہدوں کے قدم لڑکھڑا گئے۔ مولانا ولایت علی رح مولانا یحییٰ علی رح اور بیسیوں متبع سنت عالم اس عقیدے کے قائل ہو گئے تھے۔ مولانا یحییٰ علی رح (جو اپنی استقامت اور عمل کے لحاظ سے امام احمد بن حنبل رح کا نمونہ تھے) غالباً آخر تک سید صاحب رح کی غیبوبت کے قائل رہے۔

مشہور ہے کہ پھانسی گھر میں وہ درد کے یہ شعر بڑے ذوق و شوق سے پڑھا کرتے تھے۔

اتنا پیغام درد کا کہنا — جب صبا کوئے یار میں گزرے
کون سی رات آپ آئیں گے — دن بہت انتظار میں گزرے

---

(۱) ملاحظہ ہو:- دیباچہ صراط مستقیم۔

نیز ان کے اُس تاریخی مکتوب میں جو انھوں نے جزائر انڈمان سے مکانات مسکونہ کے انہدام کی خبر سُن کر لکھا تھا (جس کا ایک ٹکڑا اوپر درج کیا جا چکا ہے)۔ یہ فقرے بھی ملتے ہیں۔

"...... زیارت ارواح متبرکہ سے حضرت علی مرتضٰی و حسنین رضی اللہ عنہم کے میں مشرف ہوا۔ حضرات ثلاثہ کو بہت منور دیکھا۔ حضرت علی رضہ نے فرمایا کہ میر انشاء احمد خاں کو کہدو کہ تو بھی میری اولاد سے ہے۔ اور مہدی جو واسطے ازدفاع منافقین ملاعنہ کے کوہستان، خراسان میں موجود ہے عنقریب نکلے گا اور قلع قمع منافقین ملاعنہ کا کرے گا۔"

مولوی جعفر صاحب تھانیسری کی 'سوانح احمدی' کے دیباچے میں بھی 'مہدی وسط' کا لفظ آتا ہے، گو ذرا احتیاط کے ساتھ۔

یہ سب غلو اور حد سے بڑھی ہوئی عقیدت کا نتیجہ تھا۔ اسلام میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کی ذات معصوم نہیں۔ امام دارالہجرۃ سیدنا مالک بن انس (ف ۱۷۹ھ) نے سچ کہا ہے:۔

كل واحد يؤخذ منه ويرد عليه الا صاحب هذا القبر صلى الله عليه وسلم!	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کے اقوال میں رد و قبول کی گنجائش ہے۔

(ج) تیسری نمایاں چیز جو اس پہلی اسلامی تحریک کے علم برداروں میں کھٹکتی ہے، وہ ان کا متصوفانہ انداز بیان اور طریق عمل ہے۔ حاشا کہ راقم کو تصوف کی روح اور جوہر سے انکار نہیں۔ اور حضرت مجدد الف ثانی

(ف ۱۰۳۴ھ) اور شاہ ولی اللہ دہلوی (ف ۱۱۷۶ھ) جیسے بزرگوں نے 'تصوف'
کے نام سے جو چیز پیش کی، وہ اپنی روح اور جوہر کے لحاظ سے اسلامی 'احسان'
سے الگ نہیں تھی۔ لیکن انھوں نے اظہار مطلب کے لئے جو زبان اور اصطلاح
(Terminology) اختیار کی، وہ وہی تھی جس کے ذریعہ عرصہ دراز سے
تصوف باطل کی ترویج ہو رہی تھی۔ حضرت مجدد رحمہ نے تو ابن عربی رحمہ (ف ۶۳۸ھ)
کے گمراہ کن نظریوں پر سخت ضرب بھی لگائی، مگر شاہ صاحب رحمہ نے مجدد صاحب رحمہ
اور ابن عربی رحمہ کے درمیان تطبیق دے کر عقیدہ وحدت الوجود کو سہارا عطا
کر دی۔ حضرت سید شہید رحمہ کے رفیق خاص مولانا شہید رحمہ نے البتہ امام تیمیہ رحمہ
(ف ۷۲۸ھ) کی طرح ٹھیٹھ توحیدی طریقہ اختیار کیا۔ مگر خود سید صاحب رحمہ کی
ذات کے ساتھ کرامات اور خرق عادات اور مکاشفات کا اتنا بڑا سلسلہ
وابستہ کر دیا گیا، کہ شہیدین رحمہ کی شہادت کے بعد ہی یہ جماعت اندھی عقیدت
کا شکار ہو گئی۔ کچھ تو عقیدہ غیبوبت کے قائل ہو گئے اور گاہے گاہے
انہیں سید صاحب رحمہ کا سلام پہنچنے لگا۔ اور پیری مریدی سے تو بہت کم لوگ
بچ سکے، بدعات سے نفرت، اہل حدیثیت اور جذبہ جہاد کے ساتھ ساتھ
ان کے ہاں مراقبہ ہوتا، "توجہ" دی جاتی، مکاشفات بیان کئے جاتے اور "کشف قبور"
وغیرہ میں مہارت پیدا(۱) کی جاتی ——— نتیجہ معلوم نہیں سنت اور

---

(۱) مولانا عبدالرحیم صاحب (ف ۱۳۴۱ھ) مولانا یحییٰ علی (ف ۱۲۸۴ھ / ۱۸۶۸) کے حال میں لکھتے ہیں۔
"نسبت باطنی آپ کی بڑی قوی تھی ... آپ کے مراقبہ کی یہ کیفیت تھی کہ جب کبھی آپ چادر اوڑھ کر متوجہ ہوتے فی الفور آپ کے مراقبہ کھل جاتا۔ انبیاء و اولیاء کی زیارت ہوتی۔ ان سے گفتگو ہوتی۔ ان سے مطالب دریافت فرماتے۔ کشف قبور میں بھی آپ کو ملکہ تام تھا....." (تذکرہ صادقہ، ص ۱۱۶)
پھر دوسری جگہ اپنے والد ماجد مولانا فرحت حسین (ف ۱۲۷۴ھ) کے حال میں رقم طراز ہیں
(ملاحظہ ہو حاشیہ ص ۱۶۸)

مجاہدوں کے ماننے والوں میں بھی "بہ مے سجادہ رنگیں کن، گرت پیر مغاں گوید" کا انداز پیدا ہوگیا ـــــ تمام اسلامی دنیا اور خاص کر ہندوستان میں تصوف کے موجودہ قالب نے دین اور دینی تحریکوں کو اتنا نقصان پہنچایا ہے، کہ اب صرف اس لئے بھی یہ قالب قابل ترک ہوگیا ہے۔ "تورع" "زہد" "عبادات" "تہجد گزاری" "اللہ کی یاد" کسی چیز سے انکار نہیں، یہ چیزیں محمود تھیں اور ہمیشہ محمود رہیں گی۔ مگر پیری مریدی کا یہ غیر ماثور طریقہ اب قطعی طور پر قابل ترک ہوگیا ہے۔ اور یہ طریقہ، تو تزکیہ کے ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے، جب یہ چیز واضح ہو چکی کہ یہ طریقہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں، تو پھر اس کے ترک کرنے میں کون سی چیز مانع ہے؟

(ج) ایک آخری بات اس باب میں اور قابل غور ہے۔ سید شہیدؒ اور ان کے اتباع خاص نے اپنے زمانہ کے حالات کے مطابق اسلامی انقلاب برپا کرنے کی کوشش کی۔ اور ان کا طریقہ کار اس زمانے کے لحاظ سے ایک حد تک ٹھیک بھی تھا، مگر اب کہ حالات بدل چکے ہیں۔ لکیر کا فقیر بنا رہنا مناسب نہیں۔ کتاب و سنت کی روشنی میں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و ہدایت سے نئے حالات اور نئے مقتضیات کے مطابق مکمل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۷)

"جناب مولانا یحییٰ علی علیہ الرحمۃ کو جب کہ آپ ملک افغانستان میں تھے، بعد انتقال بڑے حضرت [مولانا ولایت علی، م۔ ف ۱۲۶۹ھ] مراقبہ میں مشاہدہ باری و زیارت انبیاء و اولیاء و بزرگان دین بند ہو گیا، جب آپ وہاں سے پٹنہ تشریف لائے، جناب چھوٹے حضرت نے ان کو بٹھا کر توجہ دی۔ تب مراقبہ میں مشاہدہ و زیارت وغیرہ حسب دستور جاری ہو گیا۔ (ص ۱۴۳)

اسلامی انقلاب و تجدید کا خاکہ بنا کر گامزن ہونا چاہئے۔ اب صرف قتال یا صرف عبادت و زہد کی روح کا بیدار کرنا کافی نہیں۔ ان چیزوں کے ساتھ ساتھ زندگی کے تمام شعبوں میں جاہلیت کے مقابلے کی تیاری کرنا چاہئے۔ آج کفر کے حملے کسی ایک مورچے پر محدود نہیں، ہر آنے والی سانس کفر کے جراثیم سینوں میں داخل کر رہی ہے۔ فضا آلودہ اور زہریلی گیسوں سے مسموم ہے۔ اس کے مقابلے کے لئے مکمل اور ہمہ جہتی پروگرام کی ضرورت ہے۔ نمرود کی آگ آج ہر کوچہ و بازار میں بھڑک رہی ہے۔ لیکن اولاد ابراہیمؑ کو شاید اس کی خبر بھی نہیں۔ طاغوتی قوتوں کا پرچم کوہ و دشت، ویرانہ اور آبادی ہر جگہ لہرا رہا ہے، کون ہے، اللہ کا بندہ جو بڑھ کر حق، اور ایمان باللہ کا علم بلند کرے؟

—————— ہر طرف سے "ھل من مبارز؟" "ھل من مجیب؟" کی گونج سنائی دیتی ہے۔ کون ہے، جو لبیک کہے؟

کتابیات (۱)

فارسی (۱)

(۱) صراط مستقیم۔ مولانا اسمٰعیل شہید رح (ش ۱۲۴۶ھ)

(۲) اجازت نامے۔ صادق پور سے سید صاحب رح کے بعض ایسے اجازت نامے دستیاب ہوئے، جو اب تک کہیں نہیں طبع ہوئے، اور جن سے سید شہید رح کی تعلیم اور طریق تزکیہ پر خاصی روشنی پڑتی ہے۔

(۳) مخزن احمدی (قلمی)، مصنفہ مولوی سید محمد علی صاحب (ف ۱۲۶۶ھ) خواہر زادہ و خلیفہ حضرت سید شہید رح۔ (مخطوطہ اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ: ۱۳۸۵)

(۴) حالات مولوی عنایت علی یا اعلام نامہ (قلمی) یہ ایک اپیل ہے، جو مجاہدین مقیم سرحد نے مسلمانان ہند کے نام بھیجی تھی، مورخہ ۱۲۶۲ھ۔ کاتب کا نام امام علی درج ہے (مخطوطہ کتاب خانۂ آصفیہ، حیدرآباد)

(۵) اتحاف النبلاء:۔ نواب صدیق حسن خاں (ف ۱۳۰۷ھ) محدثین و فقہاء کے تذکرے میں مشہور کتاب ہے۔ اس میں مولانا شہید رح اور اس سلسلے کے بعض دوسرے حضرات کے حالات بھی درج ہیں۔

(۶) مثنوی شہر آشوب۔ حکیم عبدالحمید عظیم آبادی (ف ۱۳۱۲ھ)

---

(۱) حتی الوسع کتابوں کے نام تاریخ ترتیب سے دئے گئے ہیں۔ اردو اور انگریزی مآخذ میں بھی یہی ترتیب ملحوظ ہے۔

(۲)

اُردُو

رسائل تسعہ :- از مولانا ولایت علی (ف ۱۲۶۹ھ) اسی مجموعے میں رسالہ دعوت اور رسالہ اربعین بھی ہیں۔ رسالۂ دعوت میں صاف صاف عقیدہ غیبوبت کا اظہار ہے۔ اور رسالہ اربعین میں خروج مہدی کے متعلق چالیس حدیثیں جمع کر دی گئی ہیں۔ مگر سید صاحب رح کا نام کہیں نہیں لیا گیا ہے۔ یہ مجموعہ مولوی الٰہی بخش صاحب بڑاکری عظیم آبادی (ف ۱۳۲۴ھ) کے اردو ترجمے کے ساتھ چھپا ہے۔

ترجمان وہابیہ۔ نواب صدیق حسن خاں (ف ۱۳۰۷ھ) اس میں اہلبیت وہابیوں کے متعلق طرح طرح کی "دلچسپ" باتیں کہی گئی ہیں۔ جو اصلیت سے دور ہیں۔

ابقاء المنن بالقاء المحن۔ نواب صدیق حسن خاں (ف ۱۳۰۷ھ)

تواریخ عجیب (طبع دوم) مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری (ف ۱۹۰۵ء) مصنف سید صاحب رح کی جماعت سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ غالباً انھیں مولانا ولایت علی رح (ف ۱۲۶۹ھ) سے بیعت تھی۔ سنہ ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۴ کے مقدمہ سازش انبالہ میں ماخوذ ہوئے اور حبس دوام کی سزا ملی۔ اور جزائر انڈمان بھیجے گئے۔ سنہ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں لارڈ رپن (۱۸۸۰-۱۸۸۴) کے حکم سے رہا ہوئے۔ واپسی کے بعد یہ کتاب لکھی۔ نام تاریخی ہے۔ (۱۳۰۲ھ)۔ یہ کالا پانی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ اس میں مصنف نے مقدمہ کی روداد اور ابتلاء

وآزمائش کی سرگذشت، جہاں تک ممکن ہو سکا ہے، قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے۔

سوانح احمدی (مطبوعہ صوفی کمپنی)۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری اس میں حضرت سید صاحب رح کے حالات زندگی، جہاد اور تعلیمات کا خلاصہ درج ہے۔ مشہور خلفا کا بھی تذکرہ ہے، نیز آخیر میں سید صاحب رح کے مکتوبات بھی دیئے گئے ہیں۔ یہ اردو زبان میں سید شہید رح کی سب سے پہلی مرتب سیرت ہے۔ تواریخ عجیب کے پانچ سال بعد لکھی گئی۔ تاریخی نام تواریخ عجیبہ ہے۔[1]

تذکرہ صادقہ۔ (طبع دوم) مولانا عبدالرحیم صادق پوری (ف ۱۳۴۱ھ) مولانا ولایت علی رح (ف ۱۲۶۹ھ) کے بھتیجے اور مولانا فرحت حسین رح (ف ۱۲۸۶ھ) کے صاحبزادے اور آخیر دور میں خاندان صادق پور کے گوہر شب چراغ تھے۔ ۱۸۶۴ء کے مقدمہ سازش میں ماخوذ ہوئے، حبس دوام بعبور دریائے شور سے نوازے گئے۔ ۱۸۸۳ء میں رہا ہوئے۔ رہائی کے بعد بھی چالیس برس سے زیادہ حیات پائی۔ یہ کتاب نہایت پریشان کن حالات میں لکھی گئی اور الہ آباد میں چھپی۔ معلومات بہت قیمتی ہیں، مگر بکھرے ہوئے۔ جا بجا ایسے اشارات ہیں کہ اچھے واقف کار کے سوا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ راقم کو حسن اتفاق سے صادق پور (عظیم آباد) کے ایک صاحب علم کا ذاتی نسخہ مستعار مل گیا، جس میں انھوں نے

---

(۱) مولوی محمد جعفر صاحب نے ایک کتاب تاریخ عجیب بھی لکھی تھی۔ جس میں صرف جزائر انڈمان کے جغرافی حالات سے بحث کی گئی تھی۔ راقم کی نظر سے نہیں گذری۔ یہ ایک باخبر صاحب علم کی روایت ہے۔ راولنا نے ان کے روزنامچہ نصائح جعفری کا بھی ذکر کیا ہے۔ ڈائری کا آغاز بروز سہ شنبہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۸۰ھ سے ہوتا ہے یعنی مقدمہ انبالہ سے دو برس پہلے۔ اس کتاب کا اور کسی دوسرے ذریعے سے پتہ نہیں چلا۔

"بین السطوری" اشارات کی توضیح وتشریح نیز بعض نئے معلومات کا اضافہ کیا تھا۔
اس سے بہت مدد ملی اور خاص کر "غیروں" کے مبالغہ آمیز بیانات کی جانچ پرکھ میں
ان "حواشی" نے بہت کام دیا۔

رسالہ اشاعت السنۃ ۔ مرتبہ مولوی محمد حسین بٹالوی (ف ۱۳۳۸ھ)
افسوس کہ اس رسالے کا مکمل فائل نہیں دستیاب ہوسکا۔ ورنہ مفید معلومات
ملتیں۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی ہی وہ بزرگ ہیں، جنھوں نے فرقہ اہل حدیث
میں وفاداری کی خوبو پیدا کی۔ جہاد کی مخالفت میں مضامین اور رسالے لکھے
اور انعامات سے سرفراز ہوئے۔

ارمغان احباب ۔ مولانا حکیم سید عبدالحی مرحوم ناظم ندوۃ العلماء (ف ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء)
نے اپنے ٹونک سفر کی روداد قلم بند کی ہے (۱۳۱۲ھ) اس میں جماعت کے متعلق مفید معلومات
ملتے ہیں۔ (معارف ۔ فروری ۔ جون ۱۹۳۹ء)

تذکرہ ۔ مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ کی مشہور اور لازوال تصنیف

تراجم علمائے حدیث ہند ۔ ابو یحییٰ محمد امام خان نوشہروی

سیرت سید احمد شہید (طبع دوم) مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی

انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ ۔ عبداللہ یوسف علی

ولی اللہ نمبر (الفرقان) مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی

تجدید واحیائے دین ۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ (ف ۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۴ء)

مولانا سندھی اور ان کے افکار وخیالات پر ایک نظر ۔ مسعود عالم ندوی

محمد بن عبدالوہاب ۔ ایک مظلوم اور بدنام مصلح ۔ " (معارف ۔ مئی ۔ جون ۱۹۴۱ء)

وہابیت ۔ ایک دینی وسیاسی تحریک ۔ " (الہلال) پٹنہ مئی جون ۱۹۳۷ء)

شاہ اسماعیل شہید (مجموعۂ مقالات اردو) مرتبہ: عبداللہ بٹ

(۳)

انگریزی

1. A History of the Sikhs
   Joseph Davey Cunningham, London, 1849
2. Correspondence connected with Removal of W. Taylor from the commissionership of Patna. Calcutta, 1858.
3. A General Report on the Yusufzais
   — H. W. Bellow. Lahore, 1864
4. Memorandum
   by T. E. Ravenshaw
   and the Judgements of Mr. W. Ainslie, the session judge, Patna and of the High Court. (Calcutta Gazette's Supplement, dated the 20th September, 1865)
5. Nine Years on the North West Frontier of India.
   — Sydneey Cotton. London, 1868.
6. The Indian Musalmans
   — W. W. Hunter. London, 1871.
7. The Wahabie Trial at Patna, 1871. [illegible]
8. The Wahabis in India
   — James O'kinealy. (Calcutta Review, 1870-71
9. Sir Saiyid on Dr. Hunter's
   Our Indian Mussalmans.
   London, 1872.
10. Notes on Muhammadnism
    T. P. Hughes, London, 1877.
11. The History of The Wahhabys in Arabia and in India
    E. Rehatsek (J. B. A. S. Bo.) vol. XIV, 1880
12. Thirty-Eight years in India.
    — William Taylor. London, 1881

13 History of the Punjab
Sayyid Muhammad Latif.
Calcutta, 1891.

14. Bengal under the Lieutenant Governors
— C. E. Buckland. Calcutta, 1901.

15. Behar Legislative Assembly Proceedings
(the 16th March, 1939)

16. Shah Ismail Shaheed
Abdullah Butt. Lahore, 1943

17. Encyclopaedia of Islam:

خاص کر [illegible] Blumhardt کا مقالہ، مارگولیتھ کا مقالہ: Wahhabiyah

عبداللہ یوسف علی کا مضمون کرامت علی، ہدایت حسین کا مضمون "فرائضی"۔

18. ڈاکٹر [illegible] کا مقالہ: Maharaja Ranjit Singh
(لیڈر الہ آباد: ۳۰ جون ۱۹۳۹ء)

19 ڈاکٹر محمود حسین کا مقالہ:

The Politics of the Indian Wahabis

(مارننگ نیوز، کلکتہ، عید نمبر [illegible])

اسی مصنف کی دوسری کتابیں

(۱) محمد بن عبد الوہاب:- ایک مظلوم اور بدنام مصلح۔
جس میں بارھویں صدی ہجری کے مشہور مصلح شیخ الاسلام محمد بن عبد الوہاب کی سیرت اور دعوت پر تحقیقی روشنی ڈالی گئی ہے، اور غلط فہمیوں کا ازالہ اور غلط بیانیوں کی مدلل تردید کی گئی ہے، اور جس میں مشرق و مغرب کے تمام مآخذ کو پوری طرح کھنگال کر ان پر بے لاگ تنقید کی گئی ہے۔ ضخامت ۲۱۲ صفحات بے جلد قیمت

(۲) مولانا سندھی کے افکار و خیالات پر ایک نظر:-
جس میں مولانا عبید اللہ سندھی کی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" اور پروفیسر محمد سرور کی کتاب "مولانا عبید اللہ سندھی اور انکے افکار و تعلیمات" پر تنقید کی گئی ہے۔ مولانا سندھی کے جدید افکار و خیالات پر تاریخی حیثیت سے اور کتاب و سنت کی روشنی میں تنقید کی گئی ہے اور بتلایا گیا ہے کہ مولانا سے کہاں کہاں فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ جو اصحاب مولانا سندھی کی کتابیں پڑھ چکے ہوں ان کے لئے خصوصاً و دیگر اصحاب کے لئے عموماً اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ ضخامت۔ صفحات۔ بے جلد قیمت ۱۲/

(۳) اشتراکیت اور اسلام:- یہ ایک چھوٹی کتاب (۸۰ صفحات) کی ہے جس میں مصنف نے اسلام اور اشتراکیت کے فرق کو خوبی سے واضح کیا ہے۔ جو اصحاب اشتراکیت کو سمجھنا چاہیں ان کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہوگا۔ قیمت ایک روپیہ۔

(۴) الترجمۃ العربیہ:- عربی زبان میں ترجمہ کرنے اور عربی زبان کو سیکھنے کے لئے یہ ایک بہترین کتاب ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔

(۵) محاسن سجاد:- حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد رح (نائب امیر شریعت بہار) کے افکار و سوانح پر متعدد قیمتی مقالات کا قابل قدر مجموعہ جس میں مرتب کے علاوہ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا محمد منظور نعمانی جیسے ممتاز اصحاب فکر کے رشحات قلم شامل ہیں۔ شروع میں مرتب کے قلم سے ایک دل آویز تقریباً قابل دید ہے پیش لفظ از مولانا عبد الماجد دریا بادی۔ ضخامت ۱۹۲ صفحے قیمت (۳/)

ملنے کا پتہ — مکتبہ نشاۃ ثانیہ مچھلی کورٹ حیدرآباد دکن

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
٨	۴	اِن دونوں ہیں	ان دونوں ہیں	١٧	١٠	سکے	کی
〃	١٢	ایک آدہ	ایک آدھ	〃	١۵	باویہ	بادیہ
٩	۴	ہرچند کے	ہرچند کہ	〃	١٨	آشنانہ ہیں	آشنانہ
١٠	٢	بڑہا دئے گئے	بڑھا دے گئے	١٨	٣	تیرہیوں	تیرہویں
〃	٣	شیخ لاسلام	شیخ الاسلام	〃	۵	نشات ثانیہ	نشأت ثانیہ
〃	۴	نسبت کرتاہے	نسبت کرتا ہو	〃	١١	محمدؐ	محمد
〃	١٢	مجاھدوں	مجاہدوں	١٩	٨	پھانسی	پھانس
〃	١٣	مجاہدیں	مجاہدین	〃	٩	اپنی	اپنے
١١	٨	توجیبہ	توجیہ	〃	〃	پروپیگنڈا	پروپگنڈا
〃	١٢	عالات	حالات	٢٠	٣	پیروں	پیرووں
〃	١٧	محلص	مخلص	〃	٣-۴	افترا ــــ پردازیوں	افتراپردازیوں
١٢	١١	آوازیں	آوازیں				
١٣	٦	اسرار	اصرار	〃	٩	رحمتہ	رحمۃ
〃	١٨	مدرکی	مدد کی	〃	١٨	وسیہ	دسیہ
١۵	٨	نحطاط	انحطاط	〃	١٩	(شاہ ولی اللہ)	(شاہ ولی اللہ
〃	٩	دنیا	اسلامی دنیا	٢١	١	دیکر	دے کر
١٦	١	ذرعیبہ	ذریعہ	〃	۵	کرتی	کرتا
〃	٩	بڑہاچڑہا	بڑھاچڑھا	٢٢	٢	جس	حُسن
〃	١٠	او	اور	〃	٩	اللہُ	اللہ
〃	١۴	سرگری	سرگرمی	〃	١٠	ینتطز	ینتظر
١٧	۴	اعراف	عراق	٢٣	١١	پیرول	پیرووں

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲۳	۱۶	کوششوں	کوششوں	۳۰	۱۲	الٰہی	اللّٰھی
؍؍	۱۸	نجدی کے	نجدی کے۔	؍؍	۱۳	سرکروہ	سرکردہ
۲۴	۱	ہوتا ہے	نہیں ہوتا	۳۱	۳	گیئں	گئیں
؍؍	۶	مجاورن	مجاوروں	؍؍	۵	رئیس	رئیں
؍؍	۱۵	اس	اِسی	؍؍	۱۱	اٹھا	اُٹھا
۲۵	۲	یدوں	بدووں	؍؍	۱۲	اور'	اور
؍؍	۸	(صلعم)	صلی اللہ علیہ وسلم	؍؍	؍؍	کرو	کرو'
؍؍	۱۰	اسلام (	اسلام :	؍؍	۱۳	لیکر	لے کر
؍؍	۱۱	wahabiyah	wahhabiyah	۳۲	۴	رفت	رخت
؍؍	۱۳	احمد	احمد	؍؍	۱۳	حرام	حرم
۲۶	۱	بعد	بُعد	؍؍	۱۸	دوسرے-	دوسرے
؍؍	۳	۱۲۳۶ھ	۱۲۳۶ھ	۳۳	۳	سلئے	لیے
؍؍	۴	آزاد کرانے کیلیے	جور وظلم سے نجات دلانے کی	؍؍	۴	انیسوس	انیسویں
				؍؍	۱۳	نازان	نازاں
۲۷	۶	۱۲۵۶ھ-	(۱۲۵۶ھ-	؍؍	۱۴	لیکر	لے کر
		۱۲۲۸ھ	(۱۲۲۸ھ	۳۴	۲	بڑہی	بڑھی
؍؍	۱۶	سینکڑون-	سینکڑوں	؍؍	۵	قبائل	قبائلی
۲۸	۸	باطینوں	باطنیوں	؍؍	۱۱	نوش	نوشش
؍؍	۱۰	محدثیں	محدثین	؍؍	۱۳	خوں	خون
؍؍	۱۱	رفع بدیں	رفع یدین	؍؍	۱۶	بھی	ہیں
؍؍	۱۷	مختزب	تحزّب	۳۵	۲	تفیق	تفسیق
۲۹	۱۴	حسن	حسنی	؍؍	۱۱	کو	پر
؍؍	؍؍	تحتانبسری	تحتانیسری	۳۶	۷	یورپ	یورپ
۳۰	۸	فصدد	فضا	۳۷	۶، ۷	طاوقت قوت	طاقت وقوت

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۷	۷	منبع	متبع	۴۶	۷	الخیال	الخیالی
۳۸	۹	مُستلم	مُسلّم	۴۷	۲	کے	کی
۳۹	۲	استاد	استاذ	″	۳	رہ گئے۔	رہ گئے،
″	۱۴	عفر	عنصر	″	۹	علماء سو	علماء سوء
۴۰	۸	مسلمان	مسلمانی	″	۱۴	موئد	مؤید
″	۱۵	ڈکٹیٹر شب	ڈکٹیٹر شپ	″	۲۰	اَللّٰہ ـ"	اللّٰہ
۴۱	۴	مکرو	مکروہ	۴۸	۴	جاتی ہے	جاتی رہے
″	۱۳	جاہلی	جاہل	″	۸	کندہوں	کندھوں
″	۱۵	کی	کی۔	۴۹	۷	ان	کے سوا ان
″	″	مشقیق	مشقتیں	″	۹	تھانیسری	تھانیسری
۴۲	۱۱	پیشن	پیش	″	۱۰	ہیں	ملتے ہیں
″	۱۶	نقش پہ	نقش قدم پہ	″	۱۱	؟ (	؟
۴۳	۱	(وہ	وہ	۵۰	۱۹	ہو چلے	ہو چکے
″	۳	منبع	متبع	۵۱	۷	رکھتی	رکھتیں
″	۴	شنائد	شاید	″	۱۴	۱۲۷۵ھ	(۱۲۷۵ھ)
″	″	ان	ان کے	۵۲	۴	تعداد ازدواج	تعدد ازواج
″	۱۵	رحہ کہ	رحہ	۵۳	۱۰	بہاری	بھاری
″	۱۷	کی	کو	″	۱۱	رحمتہ	رحمۃ
″	۱۸	مورخ	مؤرخ	۵۴	۱۵	الدرر البہیتہ	الدرر البہیہ کا
۴۴	۱	نظر ثانی	نظر انداز	۵۵	۲	کھٹنے	کھٹکنے
″	″	سندھی	سندھی	″	۱۲	رئیس	رئیس
″	۳	زیب	زبب	۵۶	۱۵	محرم	مُحرِم
″	″	طیفیل	طفیل	۵۷	۵	طبعیت	طبیعت
″	۵	فروگذاشتین	فروگذاشتیں	″	۱۲	مجابدین	مجاہدین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۹	۱۴	مہتتم	مہتمم
″	۱۵	تذکرہ صادقہ	"تذکرہ صادقہ"
″	۱۸	مجسٹریٹ	مجسٹریٹ کے
۶۰	۲	"قائم	قائم
″	۳	"مسجد	مسجد
″	۵	"شانہ	شانہ
″	۶	"بمنزلہ	بمنزلہ
۶۱	۵	"کفار	کفار
″	۶	"قلعے	قلعے
″	۷	"مطبع	مطبع
″	۸	"کلمہ	کلمہ
″	″	"اسلامی	اسلامی
″	۱۰	ہیں	ہے
″	۲۱	گربیٹ	گرنٹ
۶۲	۵	بہائی	بھائی
″	۱۰	بٹیوں	بیٹوں
″	۱۶	ابتلاء	ابتلاو
۶۴	۱۰	"بھیجنے	بھیجے
۶۵	۴	بھی قاصر	قاصر
″	۹	("جہاد)	جہاد
″	۱۲	۱۸۵۷-	۱۸۵۷ء
		۱۸۵۸	۱۸۵۸ء
″	۱۴	پر بھیجے	بھیجے
۶۶	۱۰	کسی	کس

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۶۷	۴	"میں	میں
″	۱۵	ارحمہ	ارحمہ
		رحمۃ	رحمۃ
″	″	المجہاہدین	المجاہدین
″	۱۸	شاخشانہ	شاخسانہ
۶۸	۴	"کوشش	کوشش
″	۸	کی مزید تفصیل	کی
″	۱۰	-۱۸۶۳	×
		(۱۸۵۴	
		(۱۸۶۸)	
″	۱۱	مختلف" امراء"	"مختلف" امراء" سنہ ۱۸۵۴ء سنہ ۱۸۶۳ء
″	۱۵	بہترے	بہتیرے
۶۹	۴	شہید	مشہد
″	۱۴	ہرو کار	پیرو کار
″	۱۶	لکھتا	لکھتا
″	۱۸	غزنین	غزنیں
″	۱۹	لر	مگر
″	۲۰	wahabie	Wahabis
۷۰	۸	بچاروں	بیچاروں
″	۱۱	گڈہی	گڈھی
″	۱۵	Generat	General
۷۱	۱۰	مولا	مولانا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۱	۱۴،۱۵	تقریبًا	(تقریبًا
		(سنہ ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۵	سنہ ۱۲۷۱ ۱۸۵۵)
۷۴	۱۶	مسلمائز	مسلمانز
؍؍	۱۷	سنہ ۱۸۶۳ء	اپریل
		اپریل	سنہ ۱۸۶۳ء
۷۶	۳	تراشہ	تراشا
۷۷	۱۲	یورٹ	پورٹ
۷۹	۱	۔سرحد	سرحد
۸۱	۴	قیام	مقام
؍؍	۱۰	انبار	انبالہ
۸۳	۱	بابتہ	بابت
۸۵	۶	۔ ان	تو ان
۸۷	۹	رجسٹر	رجسٹرڈ
؍؍	۱۷	اسی	انھیں
؍؍	۳۱	سنہ ۱۳۰۰ء	سنہ ۱۳۰۰ھ
۹۰	۹	منفتشف	متفتشف
۹۱	۱۹	انسائیکلوبیڈیا	انسائیکلوپیڈیا
۹۲	۱۲	بھری	بحری
۹۳	۳	غداری	غدار
۹۴	۱	"ہدے"	"ہدیے"
؍؍	۲۰	پنبہ	پٹنہ
؍؍	۷	مولانا	اور مولانا
؍؍	۱۳	مہتمم	مُتّہم
۹۴	۱۴	مہتمم	مُتّہم
؍؍	۲۰	کو بھی	کو یہ بھی
؍؍	۲۳	بائے	ہائے
؍؍	؍؍	کہ ہم	ہم
۹۵	۹	میرے	مرے
۹۶	۷	بہترے	بہتیرے
۹۷	۱۰	ٹھہرتے	ٹھیرتے
؍؍	؍؍	متہم	مُتّہم
؍؍	۱۲	؍؍	؍؍
؍؍	۱۳	؍؍	؍؍
؍؍	۱۴	(Reppel)	Rebels
۹۸	۷	مجایدین	مجاہدین
؍؍	۱۹	مردم شماری	کی مردم شماری
۹۹	۷	پنبہ	پٹنہ
؍؍	۱۹	دے	دیئے
۱۰۰	۱	GazeHer	GazeHier
؍؍	۵	قسم قسم	قسم قسم کی
؍؍	؍؍	مجایدین	مجاہدین
؍؍	۶	(CDDe)	Code
۱۰۱	۵	مہتمم	مُتّہم
؍؍	۱۳	؍؍	؍؍
؍؍	۱۶	مجایدین	مجاہدین
۱۰۲	۱۳	بڑھے	پڑھے!

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
مجاہدین	مجابیدین	۱	۱۰۴
ہنٹر	"ہنٹر	۲	"
۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲	(۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲)	۱	۱۰۵
واقعہ قطعی طور پر	واقعی طور پر	۲	"
مجاہدین	مجابیدین	۳	"
"	"	۸	"
پورب	پورپ	۳	۱۰۶
(۱۲۴۵ھ -	۱۲۴۵ھ -	۱۴	"
زادہا	رادہا	۱۵	"
سازباز	سازوباز	۱۷	"
(۲)	(۳)	۲۰	"
انبالہ	انبالہ-	۱۶	۱۱۰
منتہم	مہتم	۹	۱۱۳
خاصہ	خاصہ—	۱۰	"
میں سے کسی	میں کسی	۱۶	"
(ف ۱۳۴۱ھ)	(ف ۱۳۲۱ھ	۴	۱۱۴
عام	حام	۹	"
Herbert	Herbert.	۱۰	"
خاندان	خامدان	۲	۱۱۵
جج	حج	۵	"
History	Hisory	۱۰	"
of.	of		

صحیح	غلط	سطر	صفحہ
ہواخواہوں	ہواخوں	۱۲	۱۱۵
بنایا	بلایا	۱۵	"
وقعت	ونعت	۱۹	"
زمین	میں	۴	۱۱۶
مقدمہ	معقدمہ	۵	"
ہوچکا	ہوچلا	۱۰	۱۱۷
حاشیہ کی انگریزی عبارت کو حاشیہ ۱ کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے	(حاشیہ میں)	۱۸	"
قائم	فائم	۱۱	۱۱۹
استاذ و الاساتذہ	"استاذ و اساتذہ"	۱۶	"
بلبل ہمیں	راہیں	۲۱	"
داند و دل	داندد دل	۵	۱۲۰
کافی	کالی	۲	۱۲۲
ماست	باست	۴	"
فاباَدَھُم	فاباَدھُم	۴	۱۲۳
المجاولہ	المجادلہ	۱۰	"
تفرع	نفرع	"	"
الذین	الذبن	۱۲	"
شاید	شائد	۱۳	۱۲۱

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۳۵	۸	دنیادی	دنیوی	۱۴۶	۱۵	ڈھاکہ	(ڈھاکہ
۱۳۶	۳	پنبہ	پہبنہ	۱۴۷	۷	جسس	جس
″	۹	″	″	۱۴۸	۱	ازحد	ازحد
۱۲۷	۳	۱۸۶۵ء	۱۸۷۵ء	۱۴۹	۱۹	جگھوں	جگہوں
″	۱۷	مصلح	معلم	۱۵۱	۷	چاہی :۔"	چاہی :۔
۱۳۰	۲	نورا	فورا	۱۵۲	۲	میں حضرت	حضرت
″	۵	سزا	سرا	۱۵۳	۶	بیادلک	بیادلکِ
۱۳۱	۴	شائد	شاید	۱۵۷	۱	گفتی	گفتنی
۱۳۴	۱۸	facia	facie	″	″	حد	حد
″	۲۰	پیرزر	پیرزتر	۱۵۸	۹	لتبیا	نبیا
۱۲۵	۸	ڈوپے	ڈپلے	″	″	تبرکہ	متبرکہ
۱۳۶	۳	wahabi)	wahabi	″	۱۷	ہیں	ہیں
۱۳۸	۴	Men	Man	۱۶۰	۱	شہید	شہید
″	۷	wahhaby,	wahhaby	″	۴	نخعی	نخعی
″	۸	Enquery	Enquiry	۱۶۱	۱	غیر	غیر
۱۴۱	۹	:۔ اور	اور	″	۲	مسلمانول	مسلمانوں
۱۴۲	۱۲	Absence	Abuse	″	۲	ہوگی ہے	ہوتی ہے
۱۴۳	۷	مجاہدین	مجاہدین	″	۱۲	رجسمانی	وجسمانی
۱۴۵	۳	دنیادار	دنیادار	″	″	، منزل	منزل
″	۱۳	رحمۃ اللہ	رحمہ اللہ	″	۱۳	اپنی۔	اپنی
	۰	و نور	و نوّر	″	۱۵	رضما	رضا
		ضرعہ	ضریحہ	۱۶۲	۲	، صفا	باصفا
۱۴۶	۸	اور نہ	ورنہ	″	۴	تبع	متتبع
″	۱۳	کتابیں لکھی ہے	کتابیں لکھی ہیں	″	۵	صدا	صدا

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۲	۹	جی	بھی
〃	۱۹	(سلامی	اِسلامی)
۱۶۳	۱	جتنے	جتنے
۱۶۴	۱۸	اہل	اہل
		صادق پور	صادق پور،
۱۶۶	۱۴	سیدنا مالک،	سیدنا مالک
		بن انس	بن انس
۱۶۷	۲	کی ، وہ	کی ، گو وہ
〃	۸	امام تیمیہ	امام ابن تیمیہ
〃	۱۲	گا ہے	گا ہے
〃	۱۳	سید	سید
〃	〃	لگا	لگا
〃	۱۸	"فنس	"قبض
〃	۱۹	فی الغور	فی الفور
〃	۲۱	فرات حسین	فرحت حسین
۱۶۸	۲	ہندوستان	ہندوستان
〃	۱۲	طریقہ کا	طریقہ کار

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۶۸	۱۵	سے غنے	سے نئے
		حسالات	حالات
۱۶۹	۸	بہنیں	نہیں
〃	۹	آیادی"	آبادی،
۱۷۰	۱۶	تاریخ	تاریخی
〃	〃	اردون	اردو اور
〃	〃	مآخذن	مآخذ ہیں
۱۷۴	۲۱	Muesalmans	Mussalmans
〃	۲۳	Muhammanism	Muhammadanism
〃	۲۶	Reshatsek	Rehatsek
۱۷۵	۴	Lieulenant	Lieutenant
〃	۱۲	فرالض	فرائض
۱۷۶	۵	مآخذ	مآخذ
〃	۷	مولانا سندھی	مولانا سندھی
		کے	اور اُن کے
〃	۱۸	الترجمۃ العرب	الترجمۃ العربیۃ

ہمارا رائج الوقت نظام تعلیم و تربیت جس میں مسلمانوں کی موجودہ نسل پرورش پارہی ہے اسلامی عقیدہ اور نصب العین کے لئے سم قاتل ہے اور اگر ہم نے اس نظام تربیت اور طریق تعلیم کو اسی طرح جاری رہنے دیا اور اپنے بچوں کو اس کے حوالے کرتے رہے تو ہماری آئندہ نسلیں اسلام سے یکسر باغی اور منحرف ہو جائینگی ۔ مولانا ابو الا علی مودودی صاحب کے ان مضامین میں ایک ایسا خاکہ پیش کیا گیا ہے جس کی بنیاد اسلامی عقائد و تصورات پر رکھی گئی ہے ۔ اگر مسلمان خلوص دل سے اپنی نوخیز نسل میں اسلامی نصب العین کی محبت پیدا کرنا چاہتے ہوں تو انہیں اپنی تعلیم و تربیت کے نظام کو اسی ڈھنگ پر لے چلنا ہوگا جس کی طرف ان مضامین میں دعوت دی گئی ہے ۔

ضخامت ۳۲ صفحات قیمت ۱ روپیہ ۶ آنے

ذہنی زلزلے

اس کتاب کا مصنف موجودہ سماج سے مطمئن نہیں ہے ۔ وہ اس کی ساری تعمیر کو بنیاد تک اکھاڑ پھینکنا چاہتا ہے اور مستقبل کی سوسایٹی کا مدل ایک نئے نقشہ پر بنانا چاہتا ہے مگر اس کا نقشہ ان نقشوں سے بالکل مختلف ہے جن کا پروپگنڈا کرنے میں وقت کے اکثر اہل قلم مصروف ہیں یہ معروف ذکری بغاوت کے اندر ایک نئی فکری بغاوت کا آغازی اقدام ہے ۔

(از ابوالسلام نعیم صدیقی)

۱۳ دلچسپ ادبی تحریروں کا مجموعہ اسلامی ادب کا ایک نمونہ ۔

ضخامت ۹۲ صفحات مجلد معہ دیدہ زیب

گرد پوش قیمت (۲ روپے ۴ آنے)

ملنے کا پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ چنچل گوڑہ

حیدرآباد دکن

مطبوعات دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن

تعلیمات از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی	,,	۶-۰
راہ عمل	,,	۴-۰
اسلام کا اخلاقی نقطہ نظر	,,	۶-۰
نماز کی حقیقت	,,	۴-۰
حقیقت ایمان	,,	۴-۰
نبوت محمدی کا عقلی ثبوت	,,	۳-۰
لباس کا مسئلہ	,,	۳-۰
قرآن فہمی کے بنیادی اصول	,,	۳-۰
اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلسفہ عالم از مولانا محمد اسحاق		۸-۰
تصویر (علم و عقل کی روشنی میں)	,,	۶-۰
ذہنی زلزلے از مولوی ابوالسلام نعیم صدیقی		۴-۰
توافق لابقا مجلد	,,	۲-۰
میرا نام ہے تعلیم !	,,	۶-۰
تنقیدات	,,	۶-۰
حقیقت عبودیت (ترجمہ علامہ ابن تیمیہ) از مولانا صدر الدین اصلاحی		۶-۰
علما اور اسلام از مولانا مظہرالدین صدیقی		زیر طبع
نیا نظم عالم	,,	,,
حکومت الٰہیہ اور علما و منکرین		,,
مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ چارٹ		

ملنے کا پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ چھتہ گوڑا حیدرآباد دکن